



وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ  
 أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ  
 وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا

(النساء: ۶۹)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے، وہ ان لوگوں کے  
 ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، (یعنی) انبیاء  
 اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق!



# الهامی ادب

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا  
رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ۚ لِيُؤْفِقَهُمُ  
أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝۳۰

(الفاطر: ۲۹، ۳۰)

بیشک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور صلوٰۃ قائم کرتے  
ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں بطور رزق عطا فرمایا ہے، اس میں سے  
پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، یقیناً وہ ایسی تجارت کے امیدوار  
ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا۔ تاکہ اللہ ان کو پورے کا پورا اجر  
عطا فرمائے اور مزید اپنے فضل سے نوازے۔ بیشک وہ بخشنے والا اور  
قدر دان ہے۔



اس شمارے میں

ترتیب

حدیث دل

اداریہ

عذاب قبر اور اہل حدیثوں کی مغالطہ آرائیاں

محمد سہیل خان

منارۃ البیضاء سے عیسیٰ خان کے مزار تک

محمد منیر

قافلہ ہے رواں دواں

سجاد حسین

سلسلہ سوال و جواب ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

معراج الدین

محمد اعظم خان

مدیر

محمدی گل

محمد سہیل خان

منور سلطان

معاونین

مجلہ حبہ اللہ درج ذیل مقام سے شائع ہوتا ہے۔ اسکے سوا اسکا دوسرا کوئی پتہ نہیں

تحریک ساتھیوں سے لینے

تحریک کو جاری رکھنے

اور حبہ اللہ کی اشاعت کو ممکن

بنانے کے لئے حسب توفیق التعاون ضرور فرمائیے

یہ مجلہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

مقام اشاعت

مرکزی دفتر۔ مسجد توحید

آر۔ جی ریلوے کوارٹرز، پوسٹ بکس نمبر ۶۰۲۸

کیماڑی۔ گجرات



# حیثیت

”بلاشبہ ڈاکٹر صاحب کی اچانک موت پر ہماری آنکھیں اٹک بار اور ہمارے دل قہقہے میں لیکن ہمارے مالک نے تو ہمیں صبر و استقامت کا حکم دیا ہے۔ لہذا ہمیں اپنے خالق و مالک کی حیثیت پر صابر و شاکر رہنا ہے اور اس آزمائش میں بھی ہمارا سرمایہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم سے ہماری وابستگی، محبت و عقیدت فقط اللہ ہی کے لیے تھی اور اللہ الٰہی القیوم ہے، اس پر موت نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ہمارے ایمان اور اس کے ساتھ کیے گئے عہد کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کے احساس کا جائزہ لے کر اس کو مزید ابھارنے کی کوشش کریں اور ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد پہلے سے زیادہ جانفشانی اور تہمتی کے ساتھ شہادت حق کے اس مشن کی تکمیل میں لگ جائیں۔“

اس تحریر میں اعظم صاحب نے جن تاثرات کو بیان کیا ہے وہ تو حقیقت پر مبنی ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جن جذبات و احساسات کا ان سطور سے اظہار ہوتا ہے، کیا اعظم صاحب نے اپنی زندگی میں اس کا عملی ثبوت پیش نہیں کر دکھایا؟ اس میں ساتھیوں کے لیے یقیناً دعوت فکر ہے۔

اعظم صاحب کے لیے نہ صرف شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر، بلکہ پورے ملک کے ساتھیوں کے دلوں میں محبت، عقیدت و احترام کے جذبات موجزن ہیں، سب ہی ان کی وفات پر قہقہے اور اٹک بار ہیں لیکن مومنوں کو صبر کی یہ تلقین کی گئی ہے جس کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ ہم اس مجاہد کی زندگی سے کچھ سبق سیکھیں۔ انہوں نے ایمان کی نعمت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ذہانت و فراست اور اعلیٰ تعلیمی و فکریاں حاصل کر لینے کے باوجود دنیاوی جاہ و منصب سے بے نیاز ہو کر خود کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے وقف کر دیا تھا۔ عظیم کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جو بھی ذمہ داری سونپی گئی اس کا حتی المقدور حق ادا کیا۔ دراصل اللہ رب العزت کا یہ فرمان اُن کے قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اتر گیا تھا:

قُلْنَا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَحْكُمُوا بِالْحَقِّ ۚ وَنُحِيطُ بِمَا هُمْ فَعَلُوا  
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (القصاص: ۸۳)

”وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے تیار کریں گے جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد، اور اچھا انجام تو پر بیزگاروں کے لیے ہے۔“

لہذا انہوں نے آخری کامیابی ہی کو حقیقی کامیابی قرار دے کر اس کے حصول کو مقصد حیات بنا لیا تھا اور پھر بھی اُن کی سعی و جہد کا مرکز و محور بن گیا تھا۔ ہمارے بھائی صدیق صاحب بھی اس انداز فکر و عمل کے حامی تھے۔ ان کی تنظیم سے وابستگی، نظم کی اطاعت اور راد حق میں بے خوفی کے ساتھ تنہا دامن لگا دینا، عظیم کے ہر فرد کے لیے مثالی نمونہ تھا۔ اب ان مرحومین سے ہماری محبت اور قلبی تعلق کا لازمی تقاضہ یہی ہے کہ ہم ان کا انداز اپنانے کی کوشش کریں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے وسائل اور اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو وقف کر دیں، اُن سے محبت و عقیدت کا یہ معیار ہمارے پیش نظر رہے اور اس کا عملی ثبوت اپنی زندگی سے دیا جائے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہے۔

میل اللہ کا یہ شمار بہت ہی تاثیر سے شائع ہو رہا ہے۔ انتظار کا یہ دورانیہ بلاشبہ ساتھیوں کے لیے شدید اضطراب کا باعث رہا اس کے لیے جتنی بھی مغفرت کی جائے کم ہے لیکن یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ یہ عرصہ بے حد مستلزم اور بیجان انگیز گزرا ہے، عظیم نے کئی صبر آزمائی جھٹکتے رہے ہیں۔ آزمائشیں تو ایمان والوں کے لیے ناگزیر ہیں اور یہ اُن کے صبر کا امتحان لینے کے لیے ہی ہوتی ہیں اور اسی کے بدلے جنت کا وعدہ ہے۔

چند ماہ قبل ہمارے ہر اہل حق ساتھی، عظیم کے روح رواں اور جبل اللہ جھٹکے کے مدبر محمد اعظم خان ہم سے جدا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی حادثاتی موت سے عظیم کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے اور اس خلا کو پُر کرے، آسمان پر چھپے دنوں اللہ کا عذاب زکراؤں کی شکل میں نازل ہوا اور دیکھتے دیکھتے بستیوں کی بستیوں تباہ ہو کر رہ گئیں۔ اعظم صاحب نے شمالی علاقہ جات کے امیر کی حیثیت سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کر کے جس مستعدی اور جانفشانی سے دن رات ایک کر کے ساتھیوں سے رابطے کا حق ادا کیا اور ان کی تسلی و تسکین اور تالیف قلب میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، شدید زخمیوں کو متاثرہ علاقوں سے نکال کر اسپتال میں داخل کرانے اور ان کی فوری ضروریات پوری کرنے کا جس طرح اہتمام کیا، یہ انہی کا حصہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر کثیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق حادثاتی موت شہادت کی موت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں شہادت کا بلند مرتبہ عطا فرمائے، آمین۔

قارئین کرام! اعظم صاحب کی اچانک جدائی نے ہمارے دلوں پر جو زخم لگایا تھا، وہ ابھی مندمل بھی نہ ہو پایا تھا کہ ڈھرکی کے محمد صدیق صاحب کی وفات نے اس زخم کو پھر تازہ کر دیا۔ محمد صدیق صاحب، سابق ناظم ڈھرکی، ضلع گھوٹکی (صوبہ سندھ)، طویل حالات کے بعد ہم سے جدا ہو گئے۔ اس علاقے میں دعوت دین کی پذیرائی اور مراکز کے قیام میں اُن کی کوششوں کا بڑا حصہ تھا۔ انہوں نے دعوت حق کی مخالفتوں کا بڑے عزم و ہمت سے مقابلہ کیا۔ وہ انتہائی بے پاک، نڈر اور مجاہد صفت انسان تھے اور دین حق کی سربلندی کے لیے جان و مال قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

گذشتہ مشرے میں ہمارے محترم استاد اور رہنما ڈاکٹر مسعود الدین عثمانیؒ کی الم انگیز وفات کے موقع پر اعظم صاحب نے ایک تاثراتی تحریر رقم فرمائی تھی، اس کی چند طور پیش کی جاتی ہیں:



# عقیدہ عذابِ قبر اور مسلک پرستوں کی مغالطہ آرائیاں

محمد سہیل

واکا برین کی اندھی پیروی کرتے ہوئے کفر و شرک پر جسے رہنے والوں کو آخرت کی بد انجامی اور جہنم کے عذاب سے ڈرایا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت انہی بنیادی اور اصولی باتوں سے عبارت ہے۔ چنانچہ جن خوش نصیبوں نے اپنے ان سچے خیر خواہوں کی پکار پر لبیک کہا اور ان کا ساتھ دیا وہ اللہ کی مقدرت اور اس کی رحمتوں کے مستحق ٹہرے جبکہ کفر و شرک پر کمر بستہ اکثریت اللہ کے عذاب کا شکار ہوئی۔ سورہ روم کی آیت (نمبر ۳۲)..... كَانَ أَكْثَرُهُمْ عُتْقَىٰ اِذَا هُم مِّنْ اَرْضٍ مُّوَدَّةٍ لَّعَنَ اللّٰهُ اُولٰٓئِکَ وَجَعَلَ قُلُوبَهُمْ قُلُوبًا لَاۡ يَفْقَهُوْنَ ۚ (البقرة: ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ اقوام کی طرف مبعوث کیے گئے انبیاء علیہم السلام میں سے بعض پر کتابیں بھی نازل فرمائیں، جن سے ان پر گزیدہ ہستیوں کی وفات کے بعد بھی لوگ رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ اللہ کی آخری اور لاریب کتاب قرآن مجید میں بیان کردہ ان قوموں کے حالات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان آسمانی کتابوں کی پیروی کے وعیداروں نے ان کے بعد نہ صرف ان کی تعلیمات سے روگردانی کی بلکہ اپنے دنیوی مقاصد اور حقیر مفادات کے حصول کی خاطر ان الہامی کتابوں میں تحریف بھی کر ڈالی! اس طرح اللہ کی طرف سے علم و ہدایت آنے کے بعد اس کی ناقدری کی گئی جس کا نتیجہ باہم اختلافات اور تفرق پر دازی کی صورت میں نکلا۔ اللہ کے دین کے ساتھ کھیلے جانے والے اس کھیل میں سب سے بڑا کردار ان کے احبار و رہبان کا تھا جنہوں نے اللہ کی کتابوں کو پس پشت ڈال دیا، ان میں بیان کردہ تعلیمات کا کتمان کیا اور ان کے برخلاف عقائد گھڑے اور لوگوں میں پھیلا دیے جنہوں نے اندھے بہرے بن کر، انبیاء علیہم السلام اور ان پر اتاری جانے والی کتابوں کی تعلیمات کے خلاف ان احبار و رہبان کے خود ساختہ عقائد و نظریات کی پیروی کی اور سورہ توبہ کی آیت (نمبر ۳۱) کے مطابق اللہ کے مقابلے میں ان کو اپنا رب بنالیا۔

بد قسمتی سے آج یہ آخری امت بھی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے ”تم بنی اسرائیل کی پیروی کرو گے، بالشت پہ بالشت اور ہاتھ پہ ہاتھ“

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قَبْلَ الَّذِي فَصَّلْنَا لَكُمُ الْاٰیٰتِ الْاٰمَارَاتِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِیْ مَا اَخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۚ وَمَا اَخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْیًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهٰذَا اِنَّ اللّٰهَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَمَّا اَخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلِلّٰهِ یَعْدُوْۤنَ ۚ مَنْ یُّشَکِّکْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (البقرة: ۲۱۳)

”لوگ ایک ہی امت تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو خوشخبری سناتے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کر دیں۔ جن کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے واضح دلائل آ جانے کے بعد بھی، آپس میں خمد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا، پھر اللہ نے ایمان والوں کو ان اختلافی معاملات میں اپنے اذن سے حق کے مطابق ہدایت عطا فرمادی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا، جسم و جان اور دیگر صلاحیتوں کے ساتھ اسے عقل و شعور اور فہم و ادراک سے نوازا۔ اس کی زندگی کا مقصد متعین کر کے اسے ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ابتداً ہدایت ربانی کی پیروی کر کے صراطِ مستقیم پر چلنے والے سب امت واحدہ کہلائے۔ لیکن ان کے بعد قافلہ انسانیت جب اپنے ازلی دشمن کے وار سے گھائل ہو کر ہدایت کے راستے سے ہٹا اور گمراہی کا شکار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس طرح حسب ضرورت ہر دور میں گمراہ قوموں کے اندر نبی یا رسول مبعوث ہوتے رہے جنہوں نے اپنی اپنی قوم کے لوگوں کو کفر و شرک اور طاغوت پرستی سے مجتنب ہو کر اللہ وحدہ لا شریک کی بندگی کی دعوت دی، انہیں بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اصلاح احوال کی طرف متوجہ کیا۔ مشرکانہ عقائد سے توبہ کر کے ایمان قبول کرنے والوں کو جنت کی لازوال نعمتوں کی بشارت دی اور اپنے آباء



(بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب و سنت) کے مطابق عقائد و اعمال کی تمام تر خرابیوں سمیت یہود و نصاریٰ کی طرح مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ کر کُلّیّ جذبہ نکال دینا لکھنا ہے (الروم: ۳۲) کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری واریب کتاب اگرچہ اپنی اصلی صورت میں محفوظ اور اس کے رسول ﷺ کا اسوہ واضح طور پر ان کے پاس موجود ہے مگر کتاب و سنت کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر خود ساختہ عقائد و تصورات گھڑ لیے گئے ہیں اور ان کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ گویا یہی کتاب و سنت کا فضا و مقصد ہے! اللہ نے تو بنی اسرائیل کے حوالے سے یہ اصولی بات سب کے لیے بیان کر دی ہے:

قُولُوا لِمَا كُنَّا يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَذَا مِنْ غَدْرِ اللَّهِ لَيْسَ لَهُ تَوْحِيدٌ لَكُمْ بَعْدَ الْوَعْدِ لَهُ الْكَافِرُونَ (البقرہ: ۷۹)

”ہیں بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اسکے ذریعے سے کچھ تھوڑا سا معاوضہ حاصل کر لیں۔“

مگر جھپلی امتوں کے اہبار و رہبان کی طرح اس آخری امت کے مولویوں اور پیروں نے بھی قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کے برعکس دین کو پیشہ بنالیا ہے۔ ہر طرح کے رطب و یابس پر مبنی کتب لکھ لکھ کر اپنی جاری ہیں جو گراں قیمت ہونے کی وجہ سے مصنفین اور اشاعتی اداروں کی آمدنی و کمائی کا بھرپور ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ ان کتابوں نے لوگوں کے عقائد کو بری طرح بگاڑ کر رکھ دیا ہے، جنہیں فن و دینداری کے یہ ماہر لوگ عقائد و اعمال کی خرابی پر مبنی اور رسم و رواج کی تابع روایتی دینداری میں مست و گمن رکھنا چاہتے ہیں اور کسی طرح بھی اپنے ان اندھے پیروکاروں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتے اس لیے کہ ان سے ان کا پیٹ اور ان کے بچوں کا ”سنہرا مستقبل“ وابستہ ہے۔ لہذا اب اللہ کے دین کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھنے والوں کی دینداری کا یہ اہم ترین تقاضہ ہے کہ وہ عامۃ الناس کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے سرگرم ہوں اور ان چالاک پیشہ وروں کی طرف سے ڈالے ہوئے کسمان کے پردوں کو چاک کر کے کتاب و سنت کی گہی تعلیمات کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کریں۔

اس سلسلے میں ہماری کتابوں میں ایمان و عقائد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دینداری کے روپ میں نظر آنے والے مختلف گروہوں و فرقوں کے عقائد کا بھی تقابلی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ ان میں بڑی حد تک مماثلت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت ان فرقوں اور مسلکوں کے عقائد میں (شرک کی آمیزش کے ساتھ) پائی جانے والی یکسانی و موافقت میں بنیادی طور پر حیات

فی الدنیا و عقیدہ کا فرما ہے جو شرک کی جڑ ہے، اور ہر دور کی طرح آج بھی احیاء و قہر پرستی، غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، ان سے استمداد کے لیے عاتبانہ پکاروں اور واسطے وسیلے وغیرہ کے شاخسانے اور شرک کی گرم بازاری اسی بنیاد پر قائم ہیں۔ چنانچہ ان فرقوں میں ہر ایک اپنے دل کے اس چور کو کسی نہ کسی انداز میں تحفظ فراہم کر رہا ہے۔ ان میں کچھ تو وہ ہیں جو کھلے طور پر اپنے اس عقیدے کا اظہار کرتے اور اس پر عمل پیرا ہیں، اور کچھ وہ جو توحید و سنت کی مڑھو مڑھو بیروی کے لبادے میں یہ کھیل کھیل رہے ہیں۔ اور جب قرآن و حدیث کے واضح دلائل سے اس شرک کا عقیدے کا رد کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے یہ جسم مردہ و بے شعور رہتا ہے بلکہ سڑگل کر مٹی بن جاتا ہے تو ہر ایک اپنے اپنے انداز سے اس دعوت کی مخالفت کرتا ہے۔ ان میں کچھ تو انبیاء و صلحاء اور اپنے خود ساختہ اولیاء کی محبت و عقیدت اور اپنے آستانوں کے تقدس کے حوالے سے اس عقیدے کا تحفظ کرتے ہیں جبکہ کچھ اپنے پیشواؤں اور اکابرین کے تحفظ میں اس عقیدے سے تعلق جوڑے رکھتے ہیں، کیونکہ ان کے اکابرین نے حیات فی القبر، عود روح اور سماع موتی کی حمایت میں اپنی تحریروں میں بہت کچھ لکھ رکھا ہے۔ ان میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے اندر ایمانی و اخلاقی جرأت کے فقدان کی وجہ سے نہ تو کھل کر حیات فی القبر کے شرک کا عقیدے کی حمایت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے اکابرین کے باطل تصورات سے برأت کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ ایک عجیب ٹھنڈے اور ادھڑ بن کا شکار ہیں اور اپنے اس بحرمانہ احساس کے ماتحت مختلف انداز اختیار کرتے اور بینتر سے بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ اپنے ان اکابرین کی نام نہاد دینی خدمات اور ان کے مڑھو مڑھو علمی مقام و کارناموں کے حوالے سے اور کبھی عذاب قبر کے حوالے سے افکار پریشاں پیش کر کے اپنے چہ دار کا بھرم رکھتے اور اپنے حلقہ اثر کو مطمئن رکھنے کی تاہماد کو شش میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں کچھ عرصے سے فرقۃ المحدثین کی طرف سے مختلف کتابیں سامنے آ رہی ہیں جس سے ان کی اس بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔ دراصل یہ لوگ عذاب قبر کے بارے میں پھیلے گئے اپنے خود ساختہ اور گمراہ کن عقائد و تصورات کا جب قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کر پاتے تو کمال ہوشیاری سے کہنے لگتے ہیں:

”اس مرحلے میں موت سے لے کر ”یوم البعث“ کے قائم ہونے تک جو کچھ قرآن کریم اور صحیح احادیث سے ثابت ہے اس پر ایمان لازمی ہے۔ اس کی کیفیت اولہ شریعہ میں مذکور و موجود نہیں ہے۔“

(مقدمہ پہلا زین، از عبدالرحمن شامین الاثری)







جسے چھوڑ آیا ہوں۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے برزخ (آڑ) حائل ہے قیامت کے دن تک۔۔۔۔۔۔  
 وَكَوْنَتُكَ لِي الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَتَنظَرُونَ  
 أَنْفُسُكُمْ أَفَلَا تَعْلَمُونَ عَذَابَ الْهَوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْجِعُونَ  
 مِمَّا خَلَقْنَاكُمْ وَأَنْتُمْ ظَهِيرُونَ (الانعام: ۹۳-۹۵)

”..... کاش تم دیکھو ان ظالموں کو سکرات موت میں اور فرشتے ہاتھ پھیلا پھیلا کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی رحوں کو آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیات سے سرکشی کرتے تھے۔ اور تم تنہا پہنچ گئے ہمارے پاس جیسا کہ ہم نے تمکو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمکو عطا کیا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے ہو۔“

سورہ المومنون کی مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان فرمایا ہے کہ مرنے والے کی روح کسی اور عالم میں منتقلی پر واپسی کی درخواست کرتی ہے کہ ”مجھے واپس لوٹا دے“۔ کہاں لوٹا دے؟ سورہ انعام کی آیت اس بات کی مکمل وضاحت کر دیتی ہے ”جو کچھ ہم نے تم کو عطا کیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو“، یعنی یہ دنیا، یہ جسم، یہ تمام نعمتیں۔ گویا مرنے والے کی روح ان سب کو چھوڑ کر چلے جانے کے بعد اب ان کی طرف واپسی کی درخواست کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”ہرگز نہیں، یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے برزخ (آڑ) حائل ہے قیامت کے دن تک“۔ تو یہ آؤ کس کے درمیان حائل ہے؟ قرآن بتاتا ہے کہ یہ آؤ مرنے والے کی روح اور ان سب چیزوں (یعنی دنیا، اس کی نعمتیں اور اس کے جسم) کے درمیان ہے جو وہ چھوڑ کر گئی ہے۔

یہ الجحدیث کہتے ہیں کہ ہمارا تو ہر عقیدہ و عمل قرآن و حدیث کے مطابق ہے: اور اسی طرح اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت کہنے والے دیوبندی اور بریلوی بھی اسی بات کے دعویدار ہیں، اب ذرا بتائیں کہ کتاب اللہ تو ”برزخ“ مرنے والے کی روح اور دنیا اور اس میں موجود اس کے مردہ جسم کے درمیان بتاتی ہے جبکہ ان فرقوں کے علماء کی کتابیں اسے صرف زندہ انسانوں اور مردوں کے جسم کے درمیان قرار دیتی ہیں! کیا یہ قرآن پر ایمان ہے یا اس کا انکار؟

کیا ”برزخ“ دنیا اور آخرت کے درمیان ہے؟

اس سلسلے میں ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ یہ ارضی قبر ”آخرت“ کا مقام ہے اور زندہ انسانوں کا تعلق دنیا سے ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا و آخرت کے درمیان برزخ حائل کر دی ہے اسی وجہ سے اب ہم سے اس مردہ جسم پر ہونے والے تمام حالات مخفی ہیں۔ کتاب اللہ سے اس مسئلے کی وضاحت ہو چکی ہے کہ ”برزخ“ کے معنی ”پردہ“ نہیں بلکہ ”آڑ“ ہیں، لہذا ان کا یہ عقیدہ بھی ان کے دوسرے عقائد کی طرح محض خود ساختہ و من گھڑت ہے۔

سورہ المومنون کی مذکورہ آیت میں یہ بات نہیں بیان کی گئی ہے کہ برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان ہے بلکہ بیان یہ کیا گیا ہے کہ وَحِينَ يُرْجَعُ بَرْزَخًا إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ، یعنی برزخ کا یہ معاملہ مرنے سے لے کر یوم آخرت تک کے لیے ہے۔ قرآن کے دیے ہوئے عقیدے کے برعکس انہوں نے ایک من مانی تفسیر کر ڈالی تاکہ اپنے فرقے کا جھوٹا عقیدہ ثابت کر سکیں۔

انسان کی موت کے وقت اس کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتے آتے ہیں، ان مسلک پرستوں نے اس وقت کو بھی برزخ سے تعبیر کر دیا ہے، ملاحظہ ہو:

”برزخ میں فرشتوں کا مارنا: ارشاد ہوتا ہے:

وَكَوْنَتُكَ لِي الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَتَنظَرُونَ  
 وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَمَرًا (پ: سورہ انفال آیت ۵۰)

کاش تم اس وقت کافروں کی حالت دیکھو جب فرشتے ان کی جان نکالتے ہیں اور ان کے مونہوں اور پشتوں پر چوٹیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چکھو عذاب آگ کا۔

اس آیت پر بعض حضرات نے یہ تفسیری نوٹ لکھا ہے کہ فرشتے لوہے کی گرزوں کو آگ میں سرخ کر کے گنہگاروں کو مارتے ہیں اور ان سے جو خم پیدا ہوتا ہے اس میں آگ پیدا ہوتی ہے اور سوزش ہوتی ہے فرشتے مارتے ہوئے بولتے ہیں کہ عذاب ووزخ کو چکھو۔“

(دعا کرنے کا اسلامی تصور: صفحہ نمبر ۱۳۱، از فضل الرحمن کلیم الجملہ بیٹ)

جماعت المسلمین والے اس سلسلے میں سورہ محمد کی آیت پیش کرتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے“ اس وقت کافروں کی کیا کیفیت ہوگی جب فرشتے انکی روح قبض کریں گے اور انکے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔“ (محمد ۲۷)



اور اس کی تشریح میں اپنی جہالت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جس طرح ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا جبکہ لاش قبر میں پوشیدہ ہوتی ہے اسی طرح جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں اور انھیں مارتے ہیں تو پاس بیٹھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا پھر بستر پر لیٹے ہوئے کی بیٹھ پر مارتا تو بالکل ہی سمجھ سے بالاتر ہے لیکن ضروری نہیں کہ جو نظر نہ آئے اسکا وجود ہی نہ ہو۔ نہ نظر آتے ہوئے بھی ہمارا پختہ ایمان ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو ہم نہیں دیکھ سکتے موسیٰ علیہ السلام سے بھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا لَنْ تَرٰیہُ (اعراف ۱۴۳) اے موسیٰ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے اسی طرح شیائین وغیرہ ہمیں نہیں دکھائی دیتے۔ کافر کی جان نکالتے وقت فرشتے اسے مارتے ہیں لیکن فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح انسان کو خواب میں تعقیف پہنچتی ہے وہ چیخا چلاتا ہے لیکن پاس بیٹھے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا بتائیے کسی برزخ ہے؟“ (ارضی قبر یا فرضی قبر، سنی فاؤنڈیشن، ۲۵)

ایک اور اہلحدیث بھی اس مسئلے پر یوں رقم طراز ہیں:

”وہ ان کے چہروں پر بھی مارتے ہیں اور ان کی بیٹھ پر بھی مارتے ہیں۔ اب فرشتے اس کے منہ اور بیٹھ پر مار مار کر اس کی روح کو نکال کر لے جاتے ہیں تو کیا آج تک کسی زندہ نے مرنے والے کے جسم پر عزرائیل کے چھڑوں کا نشان دیکھا ہے؟..... اب چونکہ قرآن کریم نے کہا ہے اس لئے سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے یہی معاملہ عذاب قبر کا ہے حالانکہ وہ ابھی زندہ ہوتا ہے صرف مرنے کے قریب ہوتا ہے لیکن اپنے ساتھ ہونے والے واقعات کو وہ بتانے سے قاصر ہے اور لو احسن دیکھنے سے قاصر ہیں اسی کا نام ”آزاد پرودہ“ ہے جسے قرآن نے لفظ ”برزخ“ سے تعبیر فرمایا ہے۔“ (سپارڈین، صفحہ نمبر ۱۱-۱۸، از قاری خلیل الرحمن اہلحدیث)

فرقہ پرستوں کے ان بیانات سے جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ اس طرح ہے:

- ۱- انسان کی روح قبض کرنے کا معاملہ برزخی ہے۔
  - ۲- ہمارے اور مردے کے درمیان برزخ حائل ہو جاتی ہے۔
  - ۳- اسی وجہ سے فرشتوں کے مارتے کے نشانات ہم کو نظر نہیں آتے۔
- آئیے کتاب اللہ سے رجوع کریں:

کیا روح قبض کرنے کا وقت برزخی دور ہے؟  
وَهُوَ الْقَائِمُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ أَكْفَىٰ عَظِيمُونَ ﴿۹۰﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ ۖ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ ۚ السَّابِقِينَ ﴿۹۱﴾ (انعام: ۹۰-۹۱)

”اور وہ اپنے بندوں پر غائب ہے اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے پیچھے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے پھر تم پلٹائے جاتے ہو اللہ کی طرف کہ تمہارا حقیقی مالک ہے۔ سن لو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔“

اس آیت میں فرشتوں کے ذریعے روح قبض کرانے اور پھر اللہ کی طرف پلٹانے جانے کا ذکر ہے، برزخ کا کوئی ذکر نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِذَا مَاتَ رَجُلٌ مِنْ رُوحِ الْمُؤْمِنِ ثَلَاثًا هَا عِلَّكَانَ يُضَعَّدَانِهَا قَالَ حَفَظًا قَدْ سَمِعْتُ مِنْ..... ثُمَّ يَقُولُ انْظُرُوا بِهٖ اِلٰى اٰخِرِ الْاَجَلِ (مسلم، کتاب الجنازہ وصلىہا باب عرض مقعد الميت)

”جب مومن کی روح اس کے بدن سے نکلتی ہے تو اس کے آگے آگے دو فرشتے جاتے ہیں، اس کو آسمان پر چڑھاتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی خوشبو اور مشک کا ذکر کیا اور کہا کہ آسمان والے (فرشتے) کہتے ہیں کوئی پاک روح ہے جو زمین سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت کرے اور تیرے جسم پر جس کو تو نے آباد رکھا۔ پھر اس کو اس کے رب کے پاس لے جاتے ہیں وہ فرماتا ہے: لے جاؤ اس کو آخری وقت تک کے لیے۔ اور جب کافر کی روح نکلتی ہے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس پر لعنت کا ذکر کیا اور کہا کہ آسمان والے (فرشتے) کہتے ہیں کہ ناپاک روح ہے جو زمین سے آئی ہے پھر حکم ہوتا ہے لے جاؤ اس کو آخری وقت تک کے لیے۔“ مالک کا نکات فرماتا ہے:

وَلَعَنَ جَنَّتُهُمُ الْفَرَادَىٰ لَمَّا خَلَفْنَا لَهُمُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْنَاهُمْ اَحْوَاثًا وَرَبِّهِمْ ظُفُورًا (الانعام: ۹۳)

”تم تنہا تنہا گئے ہمارے پاس جیسا ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور تم چھوڑ آئے ہو اپنی بیٹھ پیچھے جو کچھ ہم نے تم کو عطا فرمایا تھا۔“  
مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے پتہ چلا کہ فرشتے اس روح کو آسمانوں میں لے جاتے اور اس کو رب کا نکات کے سامنے پیش کرتے ہیں، وہاں اس روح سے اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے۔ یہاں تک برزخ کا کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جانے کے بعد کیا درخواست کرتی ہے، سورۃ المؤمنون میں



اس کا ذکر فرمایا گیا:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ أَحَدُهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿١٠٠﴾ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلِمًا أَنهَآ أَلَمٌ لَهُ هُوَ قَائِلًا مِّنْ دُونِ رَحْمَتِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ  
(المومن: ۹۹، ۱۰۰)

”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے اس (دنیا) میں واپس لوٹا دے تاکہ میں نیک عمل کروں جسے چھوڑ آیا ہو۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور انکے پیچھے برزخ (آڑ) حائل ہے قیامت کے دن تک۔“

اب جب روح اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ کر دنیا میں واپس بھیجے جانے کی درخواست کرتی ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ ”برزخ“ کا ذکر فرماتا ہے کہ دنیا میں واپس جانے کی بات ہرگز ممکن نہیں کیونکہ ان مرنے والوں کے پیچھے اب برزخ کی ”آڑ“ ہے قیامت کے دن تک کے لیے یعنی مرنے کا بعد ٹھکانہ برزخ میں ہے۔ قرآن کے انکار میں ان کا دیا ہوا عقیدہ یہ ہے کہ اب ہمارے اور مردے کے درمیان چونکہ ”پردہ“ آگیا ہے اس لیے اب مردے کو جو مارا چٹا جا رہا ہے وہ ہمیں نہیں دکھائی دیتا حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ فحشی امور ہونے کی وجہ سے ہم ان کا مشاہدہ نہیں کر سکتے لیکن حقیقی طور سے اس کو برزخ کا معاملہ قرار دینا بے دلیل ہے کیونکہ برزخ کا مرحلہ شروع ہی اس وقت ہوتا ہے جب روح کا بدن سے اخراج ہو جائے جبکہ اخراج سے پہلے کی بعض مادی و جسمانی کیفیات کا تو ہم خود بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الْمَرْأَةُ الْوَقِيلَ ۖ وَمِنْ رَّأْيِهَا وَطَنَ أَنَّهَا الْفِرَاقُ ۖ وَالتَّعَدَّى  
التَّافِي بِالنَّافِي ۖ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَافِي ۖ (القصص: ۳۵، ۳۶)

”ہرگز نہیں! جب روح گھر تک پہنچ جائے اور کہا جائے کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا۔ اور اس نے جان لیا کہ اب جدائی کا وقت ہے اور پنڈلی سے پنڈلی مل جائے، اس دن تجھے اپنے رب کی طرف جانا ہے۔“

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْمَرْءُ الْوَقِيلَ ۖ وَنَظَرَتْ ۖ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ۖ (الواقعه: ۸۳، ۸۴)

”اور جب روح گھر میں آتی ہے اور تم اس حالت کو دیکھ رہے ہوتے ہو۔“

نبی ﷺ نے فرمایا:

إِذَا ظَلَمَ النَّصْرُ وَخَرَجَ الْقَلْبُ وَالْفَرْعُ الْمَجْلَدُ فَوَيْلٌ ۖ

(مسائل، کتاب الجنائز، باب فی من احب لقاءہ)

”جب دینائی مٹ جائے اور چھاتی میں دم آجائے اور بدن کے

روئیں کھڑے ہو جائیں (تو یہ اللہ سے ملنے کا وقت ہے)۔“

اب کوئی ان مسلک پرستوں سے پوچھے کہ یہ اللہ کی بات پر ایمان رکھتے ہیں یا اپنے باپ دادا اور اکابرین کے دیے ہوئے عقائد پر! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تم اس حالت کو دیکھ رہے ہوتے ہو اور یہ ”علم کے سمندر“ کہتے ہیں ہمارے اور اس کے درمیان پردہ ہے۔ چنانچہ حَدِیثُ یَعْنُکَ ہُوَ یُؤْوِیُّوْنَ

نہ معلوم یہ کیسا پردہ ہے کہ مرنے والے کی بعض مادی کیفیات کو ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے سانس کا اکھڑنا، آنکھوں کا چڑھنا وغیرہ۔ البتہ فرشتے نظر نہیں آتے، ان کا مارنا نہیں دکھائی دیتا، روح قبض کرنا نہیں دکھائی دیتا۔ تو بتائیے یہ برزخ کے حالات ہوئے یا غیب کے معاملات؟ جماعت المسلمین والے اپنے آپ کو قرآن وحدیث کا چمچین سمجھتے ہیں، لیکن انہوں نے بھی غیب اور برزخ کو غلط ملط کر دیا ہے۔ یہ علم کے دعویدار فرشتوں کے نہ دکھائی دینے کو ”برزخ“ قرار دیتے ہیں جبکہ اس دنیا میں بے شمار واقعات ہوتے ہیں جن میں فرشتے نظر نہیں آتے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو جو اس کے دائیں بائیں (فرشتے) بیٹھے ہیں وہ اسے لکھ لیتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ فرشتے مسجد میں بیٹھے والوں کے لیے دعا کرتے ہیں، جمعہ کے دن صلوٰۃ کے لیے آنے والوں کے نام رجسٹر میں لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ذکر کی محفلوں پر اس طرح چھا جاتے ہیں کہ آسمان تک قطار بنا لیتے ہیں۔ تو کیا یہ سب برزخی امور ہیں یا نہیں معاملات؟ جناب نے کیا خوب علمی بصیرت پائی ہے! ان سے ہماری گزارش ہے کہ منطق کے چمچین بننے کی بجائے کتاب اللہ کے مطابق ایمان لے آئیں۔

فرشتوں کی مار کے نشانات کیوں نہیں دکھائی دیتے؟

فَلْيَكْفِ إِذَا تَوَلَّوْا لِلْمَلٰٓئِكَةِ یُحْضَرُونَ وَجُوهُهُمْ وَأَذُنُهُمْ (محمد: ۴)

”اس وقت کافروں کی کیا کیفیت ہوگی جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے اور ان کے چہروں اور ٹخنوں پر مارتے جائیں گے۔“

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِیۡنَ تَوَلَّوْا لِلْمَلٰٓئِكَةِ یُحْضَرُونَ وَجُوهُهُمْ وَأَذُنُهُمْ وَخَدُّوْهُمُ ۖ وَأَبْصَارُهُمْ (الانفال: ۵۰)

”کاش تم اس وقت کافروں کی حالت دیکھو جب فرشتے ان کی جان نکالتے ہیں اور ان کے مونہوں اور پشتوں پر چومیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چمکو چلے کا عذاب۔“



اس موضوع پر اپنی ہر کتاب میں ان دیوبندیوں اور اہلحدیثوں نے بڑا شور مچایا ہے کہ کیوں نہیں دکھائی دیتے یہ نشان؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں یہ کہاں لکھا ہے کہ قبض روح کے وقت فرشتوں کے مارنے سے نشان پڑ جاتے ہیں؟

﴿مَنْ الرُّسُولُ يٰۤاَنۡزِلِ اِلَیۡہِ مِنَ الرُّۤحٰنِ ذِکۡرًا لِّہٖمۡۙ الْمَوْحِیۡنَ﴾ (البقرہ: ۲۸۵)

”ایمان لاتا ہے اللہ کا رسول اس پر ہم نکھاس کے رب کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ایمان والے بھی“

تو ہمارا ایمان تو اسی حد تک ہے کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ قرآن وحدیث میں قبض روح کے موقع کے لیے جب اس طرح کی کوئی بات نہیں بیان کی گئی تو محض اپنی عقل کو بنیاد بنا کر اس پر ایک خود ساختہ عقیدہ گھڑ لیتا ایمان والوں کے شایان شان نہیں۔ یہی موصوف اپنی اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

”محض عقل کی بنیاد پر کتاب وسنت کے حقائق کا انکار کرنا یہ عقل پرستی ہے جو کہ شرک ہے۔“ (صفحہ نمبر ۵۹)

چلیے اچھا ہوا کہ اہلحدیثوں نے خود ہی اپنے شرک پر گواہی دیتے ہوئے اپنے مقام کو واضح کر دیا!

ان کا یہ کہنا کہ

”فرشتے لوہے کی گرزوں کو آگ میں سرخ کر کے گتہنگاروں کو مارتے ہیں اور ان سے جو زخم پیدا ہوتا ہے اس میں آگ پیدا ہوتی ہے اور سوزش ہوتی ہے فرشتے مارتے ہوئے بولتے ہیں کہ عذاب ووزخ کو چکھو۔“

تو یہ ان کے اکابرین کا دیا ہوا جھوٹا عقیدہ ہے جو کتاب اللہ سے تو ہرگز ثابت نہیں محض ”ان کے منہ کی باتیں ہیں“ اور یہی جھوٹی باتیں ان کے ایمان کی بنیاد بنی ہوئی ہیں۔

ایک غزوہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا، فرشتے نے جب ایک کافر کو گوزامارا تو اس کی آواز بھی سنائی دی اور اس کی مار کا نشان بھی قریب کھڑے صحابی کو دکھائی دیا، ملاحظہ ہو:

.....عَنِ اَبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ يُشَدُّ فِى الْوَرَمِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اَمَامَهُ اِذْ سَمِعَ صَوْتًا بِالْاُطْفُوۡقَةِ وَ صَوْتُ الْفَارَسِ يَقُوْلُ اَقْدِمُ حِنْزُوۡمٌ فَنَظَرُوْا اِلَى الْمُشْرِكِ اَمَامَهُ فَحِصْرٌ مُّسْلِفِيۡنَا فَنَظَرُوْا اِلَيْہٖ فَاِذَا هُوَ قَدْ خَطَمَ اَنْفَهُ وَ شَقَّ وَجْہَہٗ كَطَرْبَةِ الشَّوۡطِ فَاحْصَرُوْا ذٰلِكَ اَجْمَعٌ فَبَجَاءَ الْاَنْصَارُ حِیْ فَحَدَّثَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ صَدَقْتَ ذٰلِكَ مِنْ مَّذٰبِ السَّعۡۃِ الْفٰلِیَةِ .....

(مسلم: کتاب الجہاد و سیر باب الامداد بالملائکۃ..... الغنائم)

”ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں..... اس روز ایک مسلم ایک کافر کا پیچھا کر رہا تھا جو اس کے آگے تھا اسے میں کوڑے کی آواز آئی اور پر سے ایک سوار کی آواز آئی وہ کہتا تھا بڑھو اے حیزوم، پھر جو دیکھا تو وہ کافر مسلم کے سامنے چت گر پڑا، مسلم نے اس کو دیکھا تو اس کی ٹانگ پر نشان تھا اور اس کا منہ پھٹ گیا تھا جیسے کوئی کوڑا مارتا ہے اور وہ سبز ہو گیا تھا (یعنی زیر پھیل گیا تھا) پھر وہ انصاری مسلم نبی ﷺ کے پاس آیا اور قصہ بیان کیا، نبی ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ مد قیسرے آسمان سے آئی تھی۔“

ملاحظہ فرمایا کہ نہ مارنے والا دکھائی دیا اور نہ کوڑا، لیکن انسانی جسم پر جو نشان پڑا، وہ صحابی کو نظر آ گیا! وہ کافر مر گیا۔ یہ واقعہ دنیا میں ہوا، زندہ کے دنیاوی جسم پر کوڑا لگا اور اس کا نشان نظر آیا۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔

### دُوقُوَاعَذَابِ الْحَرِیْقِ ”چکھو جلنے کا عذاب“

قرآن کی کسی آیت کے من مانے معنی اخذ کر لینا، انہی فرقہ پرستوں کا کام ہے۔ اس آیت میں ”چکھو جلنے کا عذاب“ سے یہ بات اخذ کر لی گئی ہے کہ یہی جسم نہیں جلایا جاتا ہے، حالانکہ اس کا تو اس میں کوئی قرینہ ہی نہیں۔ قرآن کریم کی دوسری آیات اس کی مکمل تشریح کر دیتی ہیں۔ فرشتے ظالموں کی روح قبض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿اَلَاۤیۡتِیۡکُمۡ بِالْکُتٰبِ جَعَلُوۡا خِلٰلَہٗۤ اٰیٰتِہٖۤا لَیۡسَ لَہٗۤا اِلٰہَۤ اِلَّا ہٗۤا﴾ (النحل: ۲۹)

”داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں جہاں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔“

فرشتے جب پاک لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

﴿یَقُوْلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ اَدْخَلُوۡا الْجَنَّةَ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ کُنتُمْ تَعْمَلُوۡنَ﴾ (النحل: ۳۳)

”تم پر سلامتی ہو داخل ہو جاؤ جنت میں ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔“

اب بتائیے کہ کیا جہنم اس مرنے والے کے بستر کے ساتھ ہی ہوتی ہے کہ فرشتے کہتے ہیں داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں! یا جنت اس کے بالکل سامنے ہی موجود ہوتی ہے کہ فرشتے کہتے ہیں داخل ہو جاؤ جنت میں! فرشتوں کے اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ ادھر اس دارالعمل میں اس شخص کی زندگی کا آخری لمحہ ختم ہوا اور روح اپنے مقام پر پہنچ گئی اور آخرت کا آغاز ہو گیا۔ لہذا ”چکھو جلنے کا عذاب“ کا اطلاق جہنم (عالم برزخ) میں دیے جانے والے عذاب پر ہوتا ہے، مرنے کے بعد کی جزا و سزا اس دنیا میں دنیاوی جسم کو ملنے کا کوئی تصور قرآن و حدیث میں ملتا ہی نہیں، بلکہ قرآن وحدیث کے مطابق دنیاوی جسم کو ملنی کھالیتی



ہے، یہ مٹی ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔

برزخ کی اس من مانی تشریح میں آل فرعون کو ہونے والے عذاب کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے:

”الَّذِينَ يَغُضُّونَ عَلَيْكَ عَذْرًا وَعَشِيًّا“

صبح شام تمام فرعونی آگ پر پیش کئے جاتے ہیں لیکن مصر کے عجائب گھر میں آج بھی فرعون کی لاش موجود ہے اور کبھی بھی مصری پریشان نہیں ہوئے کہ صبح و شام لاش کہاں غائب ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ فرعون کی لاش وہاں سے غائب نہیں ہوتی لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قرآن کریم سچا ہے وہ یقیناً بلا ناغہ آگ پر پیش ہوتا ہے لیکن اس پیشی کو بھی برزخ میں رکھا گیا یعنی ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا جس کی وجہ سے ہم انکے ساتھ ہونے والے سلوک کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔

اب کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب ہمیں وہ پیش ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے تو پھر ہم کیسے مان لیں؟ تو اس کے جواب میں ہم اتنا عرض کریں گے کہ وہ پیش ہوتے ہیں کیونکہ قرآن کہتا ہے وہ کس طرح پیش ہوتے ہیں ہم اس کیفیت کو نہیں جانتے اور نہ ہی جانتے پر مختلف ہیں۔“ (بیاد، صفحہ ۸۲، ۸۱)

در اصل عقیدہ تو پہلے سے بنا ہوا ہے..... جو جس فرقے سے وابستہ ہے اس کا عقیدہ اپنے فرقے کے اکابرین ہی کے اقوال پر مبنی ہے، اب اگر اس کا ثبوت کتاب اللہ سے مانگا جائے تو پھر یہ ان کے لیے کس طرح ممکن ہو؟ اور جب ان کے سامنے قرآن و حدیث کی بیان کردہ کوئی بات رکھی جائے، تو یہ فرقہ پرست اس کی وضاحت بھی نہیں کر پاتے اس لیے کہ ان کے عقائد تو ہیں ہی خلاف قرآن و حدیث۔ اب یہ اس طرح کا طرز عمل اختیار نہ کریں تو اور کیا کریں؟ ان کے پاس ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ ”جی بس اب مردے اور ہمارے درمیان برزخ آگئی، آگے ہمیں کچھ نہیں معلوم“ حالانکہ صاف اور سمجھ میں آنے والی بات تو یہ ہے کہ آل فرعون پر ہونے والے عذاب کا تعلق اس دنیا اور یہاں موجود مردہ لاشوں سے بالکل نہیں، بلکہ یہ تو دوسرے جسموں کے ساتھ جہنم کی آگ پر پیش کیے جاتے ہیں جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

قرآن و حدیث سے بہت کر عقائد رکھنے والے یہ فرقہ پرست اس دنیاوی قبر کو بھی برزخ قرار دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

”پھر اس پر موت آتی ہے یعنی قبر کی زندگی یا برزخی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔“

(روح، عذاب قبر اور سماع موتی، صفحہ ۱۸، از عبد الرحمن کیلانی، المجدیث)

اہل تشیع عقیدہ رکھتے ہیں:

”برزخ اس عالم دنیا کے پردے میں ہے۔ ممکن ہے بعض افراد کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ عالم برزخ اس طول و تفصیل کے ساتھ کہاں واقع ہے؟ یقیناً ہماری عقل اس حد تک نہیں پہنچتی کہ ہم اسے سمجھ سکیں۔ ہم بس اتنا ہی کہیں گے کہ عالم برزخ اس عالم دنیا سے پردہ اور غیب میں ہے اور اسے سمجھنے کے لیے روایات میں بہت سی تشبیہیں وارد ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ دنیا مع اپنی زمینوں، آسمانوں وغیرہ کے عالم برزخ کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جیسے ناپید اکٹھا رکھا ہوا بیاباں میں ایک مختصر ساحلہ ہو، جب تک انسان دنیا میں رہتا ہے وہ ریشم کے کپڑے کی طرح یا اس بچے کی طرح جو شکم مادر میں ہو محدود ہوتا ہے۔ جب وہ مرتا ہے تو آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ بظاہر رہتا ہے ہی اسی دنیا میں اور کہیں جاتا نہیں ہے لیکن اب اس کے محدودیت باقی نہیں رہ جاتی، اس کے لیے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں رہ جاتی، کیونکہ یہ قیدیں اسی دنیا تک محدود ہیں جو عالم مادہ و طبیعت ہے۔“ (معارف، صفحہ ۸۷، ۸۶)

احمد رضا خان بریلوی کہتے ہیں:

”اسی لئے علماء فرماتے ہیں دنیا کو برزخ سے وہی نسبت ہے جو رحم مادر کو دنیا سے پھر برزخ کو آخرت سے یہی نسبت ہے جو دنیا کو برزخ سے اب اس سے برزخ و دنیا کے علوم و ادراکات میں فرق سمجھ لیجئے وہی نسبت چاہیے جو علم جنین کو علم اہل دنیا سے واقعی روح طائر ہے اور بدن نفس اور علم پرواز ہنجرے میں پرندگی پر فطانی کتنی ہاں جب کھڑکی سے باہر آیا اس وقت اس کی جولانیاں قابل دید ہیں۔“ (روح کی دنیا، صفحہ ۳۸، از احمد رضا خان بریلوی)

ان مسلک پرستوں کی اکثریت اسی عقیدے کی حامل ہے: قاری محمد طیب دیوبندی نے تو اپنی کتاب ”عالم برزخ“ میں متعدد جھوٹے چشم دید واقعات بیان کر کے اسی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ کچھ واقعات کا تعلق انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی جوڑ دیا ہے لیکن حوالہ کسی بھی حدیث کا نہیں دیا۔ اس طرح ان سب لوگوں کی تحریروں میں عذاب قبر کے حوالے سے حیات فی القبر کے سلسلے میں ان کے مشترکہ عقیدے کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ دراصل ان لوگوں کے پاس قرآن و احادیث صحیحہ کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ عقائد کے لیے بہت سارے دلائل ہیں اور یہ سب موضوع و منکر روایات یا جھوٹے افسانوی واقعات پر مبنی ہیں جن کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم کی آیات اور احادیث صحیحہ کی غلط تشریحات کی جاتی ہیں جس کی مثالیں ابھی آپ کے سامنے آچکی ہیں اور مزید آگے آرہی ہیں۔



## ”عالم برزخ“

سابقہ طور میں قرآن وحدیث سے اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ جب روح اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ کر دنیا میں واپس بھیجے جانے کی درخواست کرتی ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا واپس جانے کی بات ہرگز ممکن نہیں کیونکہ ان مرنے والوں کے پیچھے اب برزخ ہے قیامت کے دن تک کے لیے، یعنی اب یہ روح واپس دنیا کی طرف پلٹنا چاہے تو دنیا اور اس کے درمیان ایک آڑ (برزخ) حائل ہے، اور یہ قیامت کے دن تک ”برزخ“ کے اس پار رہی رہے گی، اسی حوالے سے اسے ”عالم برزخ“ کہا جاتا ہے۔

کتاب اللہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسانی زندگی کے دو ادوار ہیں: ایک عمل کا دور اور دوسرا اس کی جزا و سزا کا دور۔ انسانیت سے اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے کہ اگر مسلم بن کر واپس لوٹے تو اس کے لیے جزا ہے اور حالت کفر میں واپس لوٹنے والوں کے لیے صرف اور صرف سزا ہے۔ اس وعدے کے پورے ہونے کا مقام کونسا ہے؟ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكَ وَكَأْتُوعُودٍ (الزمر: ۲۲)

”اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔“

قرآن سے یہی وضاحت ملتی ہے کہ مرنے کے بعد جس جزا و سزا کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اس دنیا میں نہیں بلکہ آسمانوں میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمیں یہی عقیدہ دیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

مَا مِنْ عَبْدٍ يُمُوتُ لَدُنَّا اللَّهُ خَيْرٌ يَمُوتُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا إِلَّا الشَّهِيدُ لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَإِنَّهُ يَمُوتُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا لِيَقْتُلَ مَوْتَهُ أُخْرَى

(بخاری: کتاب الجہاد و السیر، باب الحور العین و صفین)

”بندوں میں سے جو کوئی مرتا ہے اور اس کے لیے اللہ کے پاس خیر ہے تو نہیں چاہتا کہ دنیا کی طرف لوٹ آئے اگرچہ اس کو دنیا کی ہر چیز دے دی جائے، سوائے شہید کے کہ اس نے شہادت کی فضیلت دیکھ لی ہوتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹ آئے اور وہ بارہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔“

یہاں بھی یہ فرقہ پرست لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ اسی قبر میں اس کو سب کچھ ملتا ہے: اسی قبر میں جنت یا جہنم کی طرف کھڑکی کھول دی جاتی ہے، یہی مقام آخرت ہے جہاں سے مرنے والا واپس نہیں آنا چاہتا..... ان کے

اس جھوٹ کا جواب بھی حدیث میں ملتا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ نَسَمَةٍ إِلَّا الشَّهِيدُ.....

(بخاری: کتاب الجہاد و السیر، باب تمنی المجاہد... إلى الدنيا)

”کوئی بھی شخص ایسا نہیں کہ جو جنت میں داخل کیے جانے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرے، خواہ اسے ساری دنیا مل جائے سوائے شہید.....“

قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ طَعْنِ الطَّرِيقِ كَأَنَّهُ تُوذِي النَّاسَ

(مسلم: کتاب البر و الصلوة و الآداب، باب فضل إزالة الطريق)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایک شخص کو آرام کرتے ہوئے دیکھا جس نے ایک درخت کو راہ سے کاٹ دیا تھا جس سے انسانوں کو تکلیف ہوتی تھی۔“

قرآن وحدیث نے وضاحت کر دی کہ مرنے کے بعد جزا اس دنیا میں نہیں ملتی بلکہ ایسے مقام پر ملتی ہے جہاں سے وہ دنیا کی طرف آنا ہی نہیں چاہتا، چاہے اسے دنیا کی ہر چیز ہی کیوں نہ دے دی جائے۔ یعنی اس کو ایسی جزا مل چکی ہوتی ہے کہ اس پوری دنیا کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں، لیکن شہید اس دنیا کی طرف واپس آنا چاہتا ہے اس لیے کہ شہادت پر جو اس کا استقبال ہوتا ہے اور جس طرح وہ نوازا جاتا ہے اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا قابل بیان جزا کو دوبارہ حاصل کرے۔ یہ شہید کہاں ہوتے ہیں؟ کتاب اللہ بیان کرتی ہے:

بَلْ أَحْيَاؤُكُمْ لَكُمْ يَرْجِعُونَ (الاحزاب: ۴۸)

”بلکہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، رزق پاتے ہیں۔“

نبی ﷺ نے شہداء کے مقام کے بارے میں بیان فرمایا:

أَزْوَاجُهُمْ فِي حُجُوفٍ طَيِّبٍ حُطِرَ لَهَا قَنَادِيلٌ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَنْسُخُ مِنَ الْجَنَّةِ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْتِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ فَاطْلَعُ إِلَيْهِمْ رُبُّهُمْ إِطْلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُونَ..... قَالُوا يَا رَبِّ لَسْنِيذُ أَنْ تَرُدَّ أَزْوَاجَنَا فِي الْجَنَّةِ حَتَّى نَقْلَلَ فِي سَبِيلِكَ مَوْتَهُ أُخْرَى فَلَمَّا زَايَ أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تَرْتَحُونَا

(مسلم: کتاب الاماراة، باب فی ارواح شہداء... یرزقون)

”شہداء کی زوجیں سبز پرندوں کے جسموں میں ہیں اور ان کے لیے قندیلیں عرش الہی سے لگی ہوئی ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر ان قدیلوں میں آکر بسیرا کرتے ہیں۔ ان کی طرف ان کے رب نے



جھانکا اور ارشاد فرمایا کہ تمہیں کسی اور چیز کی خواہش ہے۔ شہداء نے جواب دیا کہ اب ہم کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں، جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مرنے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تین بار ان سے یہی دریافت کیا اور شہداء نے دیکھا کہ جب تک وہ کسی خواہش کا اظہار نہ کریں گے ان کا رب ان سے برابر پوچھتا رہے گا تو انہوں نے کہا کہ مالک ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری رگوں کو پھر ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دیا جائے اور ہم دوسری بار تیری راہ میں شہید کیے جائیں۔ اب کہ مالک نے دیکھ لیا کہ انہیں کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہے تو پھر ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔

سورہ آل عمران کی آیت اور اس کی تفسیر میں اس روایت نے پوری طرح واضح کر دیا کہ دنیاوی جسم بے روح ہیں اور ارواح کو دوسرے جسموں کے ساتھ جنت کی راحتیں حاصل ہیں۔

نبی ﷺ کو خواب کے ذریعے انسانوں کو موت کے بعد ملنے والی جزا کے مناظر دکھاتے ہوئے فرشتوں نے نبی ﷺ کو بتایا:

.....وَالَّذِذَا الْأُولَىٰ أَلْنِي ذَلَّخْتُ ذَا زَعَامَةٍ الْمُؤْمِنِينَ وَأَمَّا هَذِهِ  
الَّذِذَا فُذِّذَا الشَّهْدَاءُ..... إِنَّهُ بَقِيَ لَكَ عُثْرٌ لَّمْ تَسْتَحْجِلْهُ  
فَلَوْ اسْتَحْجَلْتِ أَتَيْتِ مَثْرَ لَكَ (بخاری: کتاب الجنائز)

”.....وہ پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے عام مؤمنین کا گھر تھا اور یہ شہداء کے گھر ہیں اور میں جبرائیل ہوں اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں آپ ذرا اپنا سراپا اٹھائیے۔ میں نے اپنا سراپا اٹھایا تو اپنے سر کے اوپر ایک ہادل سا دیکھا ان دونوں نے کہا یہ آپ کا گھر ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں۔ ان دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا، جب آپ اس کو پورا کر لیں گے تو اپنے اس گھر میں آ جائیں گے۔“

اسی طرح سورہ مؤمنون کی آیت نمبر ۱۰ میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے کہ فاسق لوگوں کی رگوں مرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچائی جاتی ہیں تو حقیقت سامنے آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس دنیا میں بھیجے جانے کی درخواست کرتی ہیں۔ موت کے بعد کی سزا اس دنیا میں نہیں ملتی بلکہ اس کا مقام جہنم بیان کیا گیا ہے جیسا کہ آل فرعون (المومن: ۳۶)، نوح و لوط علیہما السلام کی بیویاں (تحریم: ۱۱)، نوح علیہ السلام کی قوم (نوح: ۲۵)۔ غزوہ بدر کے موقع پر نبی ﷺ نے قتل ہو جانے والے کفار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: فَهَكَذَا وَجَدْنَاهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ پھر کیا تم نے اس وعدے کو حق پایا جو تمہارے

رب نے تم سے کیا تھا؟“۔ عاکثر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآنی آیات پڑھ کر اس کی تشریح فرمائی کہ یہاں سننا مراد نہیں ہے بلکہ جاننا مراد ہے، یعنی نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ جو میں تم سے کہا کرتا تھا اب تم کو پتہ چل گیا ہوگا کہ وہ سب سچ تھا۔ عاکثر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قرآنی آیات پڑھنے سے مراد یہ تھی کہ حسین نبی و اقصیٰ مقاعدہم من النار ”جب جہنم میں ان کو آگ کا ٹھکانہ مل گیا ہوگا (جب انہوں نے اچھی طرح جان لیا)“۔ (بخاری: کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل)

موت کے بعد انسانوں پر ہونے والے عذاب بھی نبی ﷺ کو خواب میں دکھائے گئے جس کا حال نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ:

.....فَإِذَا رَجَلٌ جَالِسٌ وَ رَجُلٌ قَائِمٌ بَيْنَهُ..... فَقُلْتُ مَا هَذَا.....

(بخاری: کتاب الجنائز)

”.....میں دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص کھڑا ہے اور اسکے ہاتھ میں لوہے کا آنگڑا ہے وہ اس کو بیٹھے ہوئے شخص کے گال میں داخل کر کے گال کو گردن تک پہنچا رہا ہے پھر اس کے دوسرے گال کے ساتھ یہی عمل کرتا ہے پھر گال جڑ جاتے ہیں اور پھر وہ (کھڑا ۱۰۰) شخص (بیٹھے ہوئے) کے ساتھ دوبارہ یہی معاملہ کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ آگے چلیے۔ پس ہم چلے یہاں تک کہ ایسے شخص کے پاس پہنچے جو اپنی گدی کے بل لیٹا ہوا تھا اور اس کے سر پر ایک دوسرا شخص پتھر لیے کھڑا ہوا تھا اور پتھر مار کر اس کا سر پھاڑ رہا تھا۔ پتھر سر پر پڑنے کے بعد ایک طرف لڑھک جاتا تھا اور پتھر مارنے والا اس کو اٹھانے کے لیے جاتا اور اس درمیان میں کہ وہ لوٹ کر واپس آئے سر پھر جڑ جاتا اور وہ ایسے ہی ہو جاتا کہ جیسا پہلے تھا۔ اب پھر وہ پہلے کی طرح پتھر کو سر پر مارتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے (یہ دیکھ کر) ان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ آگے چلیے۔ ہم چلے اور نور کی شکل کے نقب کے پاس آئے اس نقب کے اوپر کا حصہ تنگ اور نیچے کا وسیع تھا اور اس میں آگ جل رہی تھی اس نقب کے اندر رہنے والا مرد اور عورتیں تھیں۔ جب آگ تیز ہوتی تو وہ اوپر اٹھتے اور باہر نکلنے کے قریب ہو جاتے اور جب ٹپکی ہوتی تو نیچے واپس چلے جاتے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یہ کیا ہو رہا ہے؟ ان دونوں نے کہا آگے چلیے۔ ہم چلے یہاں تک کہ ایک نہر پر آئے جو خون سے بھری ہوئی تھی اور اس میں ایک شخص کھڑا تھا اور نہر کے کنارے ایک اور شخص کھڑا ہوا تھا جس کے سامنے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ جب نہر والا شخص آگے بڑھتا اور باہر نکلتا چاہتا تو باہر والا اس کے منہ پر پتھر مارتا اور اسے واپس اس



کی جگہ لوٹا دیتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کہا یہ سب کیا ہے.....؟  
فرشتوں نے بتایا:

.....أَمَّا الَّذِي رَأَيْنَهُ يُشَقُّ شَذْقُهُ فَكَذَّابٌ تَحْدِثُ بِالْكَذِبَةِ  
فَتُحْمَلُ..... وَالَّذِي رَأَيْنَهُ فِي النَّهْرِ أَكَلُوا الزُّنُوفَ..... (ایضاً)  
”.....وہ جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کے گال بھاڑے جا رہے  
تھے وہ کذاب تھا جمہوری باتیں بیان کرتا تھا اور لوگ اس بات کو لے اڑتے  
تھے یہاں تک کہ ہر طرف اس کا چرچا ہوتا تھا تو اس کے ساتھ جو آپ نے  
ہوتے دیکھا وہ قیامت تک ہوتا رہے گا اور جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر  
کھلا جا رہا تھا، یہ وہ شخص تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تھا لیکن وہ  
رات کو قرآن سے غافل ہوتا رہا اور دن میں اس کے مطابق عمل نہ کیا؛ یہ عمل  
اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور جن کو آپ نے نعل میں دیکھا وہ  
زنا کار تھے اور جس کو آپ نے نہر میں دیکھا وہ سود خور تھا.....“

زنا کاروں کی قبریں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں تو پھر یہ مقام کونسا ہے کہ  
سارے زنا کار اکٹھے ایک ہی طور میں عذاب دیے جا رہے ہیں؟ سود خور  
خون سے بھری نہر میں عذاب دیا جا رہا تھا جبکہ ان لوگوں کا وجود بھی  
سارے جہاں میں کسی ایک جگہ مخصوص نہیں؟ تو کیا یہ خون کی نہر ہر سود خور کی  
دنیاوی قبر میں جاری کر دی جاتی ہے؟ کبھی کسی قبرستان میں جاری ایسی خونی  
نہر، بلکہ نہروں کا مشاہدہ کیا ہے؟

کتاب اللہ کے بیانات اور احادیث سے واضح ہوا کہ عالم برزخ کا  
اس عالم دنیا سے تعلق نہیں۔ قرآن وحدیث کے اور بھی دلائل اس سلسلے میں پیش  
کیے جاسکتے ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے صرف انہی دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔  
ماننے والوں کے لیے تو یہی بہت ہیں اور نہ ماننے والوں کے لیے تو اگر پورا  
قرآن بھی پیش کر دیا جائے تو وہ نہ مانیں گے۔ ابو جہل وابولہب کی مادری زبان  
عربی تھی، وہ آج کے ان نام نہاد شیخ القرآن وشیخ الحدیث سے بہت زیادہ عربی  
جانتے تھے لیکن قرآنی مثالیں سن کر کہتے بھی تھے:

مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا امْتَلَا (البقرة: ۲۶)

”اللہ تعالیٰ ایسی مثالیں دے کر بھلا کیا چاہتا ہے۔“

بالکل اسی طرح بخاری کی اس حدیث کے بارے میں ابجدیٹ علامہ فرماتے ہیں:

”جیسا کہ خواب میں آپ ﷺ نے کچھ نافرمانوں کو جلائے عذاب دیکھا تھا  
ان واقعات کا تعلق عام عذاب سے ہے خاص عذاب القہر سے نہیں اور یہ  
احادیث بتا رہی ہیں کہ عذاب القہر ایک بالکل الگ شے ہے۔“

(خلاصہ الدین الخالص، صفحہ ۳۶)

یہ ابجدیٹ بتائیں کہ ”عام عذاب“ کیا ہوتا ہے؟ کتاب اللہ سے صرف عذاب  
دنیا اور عذاب آخرت کا ثبوت ملتا ہے اور عذاب القہر آخرت کے عذاب کا ہی  
ایک حصہ ہے جو انسان کی موت سے شروع ہو کر قیامت کے دن ختم ہوگا۔ سرہ  
بن جندب ؓ سے مروی اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ جب نبی ﷺ کو  
فرشتوں نے اس عذاب کی بابت بتایا تو کہا: يُفْعَلُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ”یہ  
اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا۔“ اب ان مسلک پرستوں سے کوئی  
پوچھے کہ انسان کی موت سے لے کر قیامت کے دن تک دیے جانے والے  
عذاب کا نام ”عام عذاب“ ہے یا ”عذاب القہر“؟

بِسْمَايَا الْمَلَائِكَةِ إِنَّا لَنُفْخِرُ لَكَ ذُنُوبًا لَّئِن لَّمْ تَظْهَرْ لَنَا فِي مَوْتِكَ

یہی موصوف اپنی مذکورہ کتاب میں عذاب القہر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”موت کے بعد سے قیامت کے دن تک جو عذاب اللہ کے نافرمان بندوں

کو دیا جائے گا اسی کا نام عذاب القہر ہے۔“ (خلاصہ الدین الخالص، صفحہ ۲۱)

ملاحظہ فرمایا ان کا دور خاطر زائد لال۔ جس بات کو اپنے موقف کے ثبوت میں  
پیش کرتے ہیں، دوسری جگہ خود اسی کو رد کر دیتے ہیں! یہاں عذاب قبر کو عام  
عذاب کہنا ان کی مجبوری ہے کیونکہ اس حدیث میں اس عذاب کے ہونے کا  
مقام واضح کر دیا گیا ہے جو کہ ان کے خود ساختہ عقیدے کے مطابق ”زمینی قبر“  
میں ہرگز نہیں۔ اس حدیث سے چونکہ ان کے خود ساختہ عقیدہ کی حقیقت بالکل ہی  
عیاں ہو رہی ہے اس لیے علماء یہود کا طرز عمل اپناتے ہوئے اس کو توڑ مروڑ کر  
اس طرح پیش کیا گیا کہ حق پر پردہ پڑ جائے اور یہ بات اس طرح مشتبہ ہو جائے  
کہ کوئی سمجھ نہ پائے۔ کہتے ہیں ”ہم ابجدیٹ ہیں“، اگر حدیث کا انکار کرنے  
والوں اور اس کے مفہوم کو بدل ڈالنے والوں کو ہی ابجدیٹ کہتے ہیں تو پھر یہ  
واقعی ابجدیٹ ہیں۔ علامہ موصوف اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”احادیث کے متعلق اگر ذرا بھی ایمان حزر ل ہو جائے تو پھر گویا اس شخص کا

پورا اسلام ہی منکوک ہو جائے گا۔“ (ایضاً، صفحہ ۱۶)

لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ زیر نظر واضح حدیث اور اسی طرح کی دوسری احادیث کا  
تو کھلا انکار کرتے ہی ہیں لیکن قبر سے باہر چار پائی پر عذاب قبر ہونے کا عقیدہ بھی  
دیتے ہیں! ملاحظہ فرمائیے:

”حالانکہ عذاب کا یہ سلسلہ حالت نزع ہی سے جب کہ میت ابھی چار پائی پر

ہوتی ہے شروع ہو جاتا ہے اور فرشتے اس کے چہرے اور پیٹ پر ضربیں لگاتی

شروع کر دیتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اس عذاب کا کوئی حصہ دنیا والوں پر







قرآن وحدیث نے عقیدہ فراہم کیا ہے کہ مرنے کے بعد یہ ہوگا کہ یہ جسم اس مٹی میں جانے کے بعد سڑگل جائے گا اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان جسموں کی دوبارہ تخلیق فرمائے گا۔ ”خلق جدید“ کا تو قرآن میں بارہا ثبات کیا گیا ہے۔ جو کچھ جماعت المسلمین والے بیان کر رہے ہیں، اس سے اگر ان کی مراد مرنے کے بعد کی جزا و سزا ہے تو پھر آخر اللہ کو اس کے بیان کرنے میں کیا چیز مانع تھی؟ حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ مٹی سے بنایا جانا، مٹی میں لوٹنا یا جانا، قیامت کے دن اسی زمین سے نکالا جانا بیان کر رہا ہے اور نہیں بیان کر رہا تو ان کا گھڑا ہوا عقیدہ! لیکن ان کے علم کی پہنچ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ایک بات اللہ تعالیٰ نے تو بیان کی نہیں لیکن انہوں نے اس جھپی ہوئی بات کو سمجھ بھی لیا، اس پر عقیدہ بھی بنالیا، اور اس کی تبلیغ بھی شروع کر دی! جب ان سب باتوں کا کتاب اللہ میں کوئی ذکر ہی نہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ان باتوں کی تعلیم انہوں نے کہاں سے حاصل کی ہے؟ بہر حال شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور اس نے اپنا پورا زور لگایا ہوا ہے کہ کسی طرح بھی اس انسان کو ہرکا کر اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے دور کر دے۔ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا الْاَسْوَءَ الْاٰثَارِ ۚ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الرِّجْسُ الَّذِيْ يَمْشٰی عَلٰی عِظَامِكُمْ ۚ فَذَرُوْهُ ۚ سَبٰحٌ مِّنْ لِّلّٰهِ يَوْمَئِذٍ ۚ (سورۃ الاحزاب: ۷۱)

برزخ کے بارے میں ہر فرقے میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ زندوں کی رسائی وہاں ممکن نہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اب اگر یہی قبر ”برزخ“ ہے تو پھر نبی ﷺ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کیسے یہ اجازت دے دی کہ وہ قیامت تک حائل رہنے والی رکاوٹ عبور کر کے اپنے والد کی ”برزخ“ میں داخل ہو جائیں اور اس ابدی رکاوٹ کے پار، ان کا جسم وہاں سے نکال کر ان کو دوسری قبر میں منتقل کر کے ان کی ایک دوسری ”برزخ“ بنادیں، اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی اجازت سے اپنے والد کا جسم ان کی میدان احد کی قبر، جس میں وہ اپنے داماد کے ساتھ دفنائے گئے تھے، سے نکال کر دوسری جگہ دفنایا تھا۔ (بخاری: کتاب الجنائز، اهل یخرج المیت... لعلہ)۔ اسی طرح نبی ﷺ نے مدینہ میں مشرکین کی بنی ہوئی قبریں کھدوا دیں (بخاری: کتاب العمرہ، باب حرم مدینہ)۔ گویا کہ یہ بات زندہ انسانوں کی دسترس میں آگئی ہے کہ وہ جب چاہیں کوئی قبر کھود کر میت کی برزخ میں حائل ہو جائیں کیونکہ کتنے پوسٹ مارٹم ہوتے ہیں جن میں مردہ اجسام کو یا ان کے مختلف حصوں کو کیمیائی تجربے کے لیے قبر سے نکال لیا جاتا ہے! کیا معلم قرآن ﷺ کو معلوم نہ تھا کہ یہی قبر ”برزخ“ ہے، ورنہ وہ کیسے کسی زندہ کو اجازت دے دیتے کہ وہ وفات پا جانے والوں کی برزخ میں داخل ہو جائیں، اور صرف داخل ہی نہ ہوں بلکہ ان کے مردہ جسم کو اس برزخ سے باہر بھی نکال لائیں؟ پھر ان کی ایک نئی برزخ بھی بنادی جائے! شاید یہ لوگ اس بات کے دعویدار ہیں کہ تعوذ باللہ ان کے پاس وہ علم ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی نہ تھا!

پھر ان سے پوچھا جائے کہ جن کی قبریں ہی نہیں بنتیں، جو تو میں اپنے مردوں کو جلا دیتی ہیں اور جو ڈوب کر مر جاتے ہیں، ان کی ”برزخ“ کہاں ہے؟ تو پھر اسی خود ساختہ عقیدے کی قوالی سنائی جاتی ہے کہ ہمارے اور مردے کے درمیان ”برزخ“ ہے۔ ایک طرف تو مردہ کی ارضی قبر کو ہی برزخ گردانا جاتا ہے، یعنی یہاں برزخ ایک ”مقام“ ٹھہرتی ہے، اور جہاں مردہ اس ارضی قبر میں دفن نہ ہو تو وہاں یہ برزخ ہمارے اور مردہ کے درمیان آ جاتی ہے، یعنی برزخ

قرآن وحدیث نے عقیدہ فراہم کیا ہے کہ مرنے کے بعد یہ ہوگا کہ یہ جسم اس مٹی میں جانے کے بعد سڑگل جائے گا اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان جسموں کی دوبارہ تخلیق فرمائے گا۔ ”خلق جدید“ کا تو قرآن میں بارہا ثبات کیا گیا ہے۔ جو کچھ جماعت المسلمین والے بیان کر رہے ہیں، اس سے اگر ان کی مراد مرنے کے بعد کی جزا و سزا ہے تو پھر آخر اللہ کو اس کے بیان کرنے میں کیا چیز مانع تھی؟ حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ مٹی سے بنایا جانا، مٹی میں لوٹنا یا جانا، قیامت کے دن اسی زمین سے نکالا جانا بیان کر رہا ہے اور نہیں بیان کر رہا تو ان کا گھڑا ہوا عقیدہ! لیکن ان کے علم کی پہنچ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ایک بات اللہ تعالیٰ نے تو بیان کی نہیں لیکن انہوں نے اس جھپی ہوئی بات کو سمجھ بھی لیا، اس پر عقیدہ بھی بنالیا، اور اس کی تبلیغ بھی شروع کر دی! جب ان سب باتوں کا کتاب اللہ میں کوئی ذکر ہی نہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ان باتوں کی تعلیم انہوں نے کہاں سے حاصل کی ہے؟ بہر حال شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور اس نے اپنا پورا زور لگایا ہوا ہے کہ کسی طرح بھی اس انسان کو ہرکا کر اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے دور کر دے۔ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا الْاَسْوَءَ الْاٰثَارِ ۚ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الرِّجْسُ الَّذِيْ يَمْشٰی عَلٰی عِظَامِكُمْ ۚ فَذَرُوْهُ ۚ سَبٰحٌ مِّنْ لِّلّٰهِ يَوْمَئِذٍ ۚ (سورۃ الاحزاب: ۷۱)

### درمیانی وقفہ

فرماتے ہیں ”مرنا اور زمین سے روز قیامت اٹھایا جانا یہ تسلسل بتا رہا ہے کہ درمیانی وقفہ کے لیے کوئی اور جگہ نہیں۔“ اس سے پہلے اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ دنیا سے واپسی کا گام اللہ آخرت کا پہلا لمحہ ہوتا ہے۔ ادھر روح قبض ہوتی ہے ادھر اس کا داخلہ جنت یا جہنم (عالم برزخ) میں ہوتا ہے تو قرآن کے اس بیان کے بعد زمین ہی میں ”درمیانی وقفہ“ کا سوال کیسے پیدا ہوتا ہے؟ راحت قبر یا عذاب قبر قیامت کے بعد ملنے والی جزا یا سزا سے کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ اسی کا تسلسل ہے۔

ہمارے قبرستان عالم آخرت میں ہیں یا عالم دنیا میں؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَكُوْنُ لِلّٰهِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الَّذِيْ فِيْهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ابو داؤد: ۴۷۷۰)

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس قول ثابت پر دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔“

اس آیت کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

..... يُكَلِّفُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا نَزَلَ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ

(بخاری: کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر)

”یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔“

عذاب قبر کے معاملے کا تعلق آخرت سے ہے، اور جیسا کہ کتاب اللہ کے دلائل



ہو رہا ہے یا سارے آل فرعون ایک ہی ”عالم برزخ“ میں صبح و شام جہنم کی آگ میں عذاب دیے جا رہے ہیں؟

مِنَ حَبِطَتِهِمْ اُتُوا قَوْمًا فَادْخُلُوا اِلَيْهِمْ فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ اِنْ هُمْ عَلٰى دِينِ اللّٰهِ  
اَنْصَرُوا (نوح ٢٥)

” (نوح علیہ السلام کی قوم والے) اپنی جھلکوں کی بنا پر خرق کر دیے گئے اور آگ میں داخل کر دیے گئے تو انھوں نے اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا دگار نہ پایا۔“

پوری قوم نوح ایک ہی ”عالم برزخ“ (جہنم) میں عذاب دی جا رہی ہے یا اس قوم کے ہر فرد کی علیحدہ علیحدہ ”برزخ“ ہے؟ اگر کتاب اللہ کے مطابق ایمان بنا لیا جائے تو ہر بات صاف اور واضح ہے ورنہ پھر اس قسم کے سوالات کی کوئی انتہا اور حد نہ ہوگی۔

برزخ کے حوالے سے کچھ مسلک پرستوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ علیین و حقین ہی "عالم برزخ" ہیں، لہذا کہتے ہیں:

”مومن مشرک علیین میں آرام اٹھاتے ہیں اور کافر مشرک کجین میں عذاب پاتے ہیں۔ ان احادیث میں، اور جن میں کہ قبر کے اندر ثواب و عذاب ثابت ہے کچھ مخالفت نہیں، کیونکہ جب یہ ثابت ہوا کہ قبر سے خاص وہ گزرا حاضرا نہیں کہ جس میں جسم دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔ خواہ کوئی پانی میں خرق ہو خواہ آگ میں جل جاوے تو اسکی وہی قبر ہے۔ اس صورت میں علیین و کجین میں عذاب و ثواب ہونا یمن و یمن میں عذاب و ثواب ہے، کچھ مخالفت نہیں۔“ (عظاکہ الاسلام از عبدالحق حقانی، جلد اولی، صفحہ ۱۶۹)

نیز یہ لوگ علین کو ساتویں آسمان پر سدرة المنتہی اور عرش معلیٰ سے ملا ہوا بیان کرتے ہیں (الاقوال المعریۃ فی الاحوال العریۃ، از محمد حسین نیلوی صفحہ نمبر ۳۷) اور بحین کو ساتویں زمین سے نیچے بتاتے ہیں۔ (ندائے حق، از محمد حسین نیلوی، صفحہ ۳۷) یہ عقائد فرقہ دیوبند کے ایک گروہ کے ہیں جو عام طور پر ”اشاعتی“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کچھ اجدیت بھی اس معاملے میں ان کے ہمواء دکھائی دیتے ہیں:

”برے لوگوں کی روحیں جہنم میں ہیں اور نیکوں کی عظیمیں میں ہیں۔“  
(تبرکات بیان از اقبال کیلانی، جلد ۵، ص ۳۴)

اور اہل تشیع افراد بھی اسی قسم کے عقائد رکھتے ہیں، مثلاً:

”احادیث میں موجود ہے کہ مشرق و مغرب میں جو مومن بھی مرتا ہے اس کی روح جسم مثالی کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کے قریب وادی السلام میں پہنچ جاتی ہے ایک اور جگہ سرزمین نجف اشرف کو ملکوت علیا کی نمائش گاہ کہا گیا ہے۔ اگر روح کا تعلق اعلیٰ علیین کے ساتھ ہے اور اس کا جسم بھی نجف میں

یہاں ایک ”پردہ“ بن جاتی ہے۔ ذرا سوچئے کہ ایک شخص کی لاش شیروں نے  
بھنچوڑ ڈالی، باقی بچا ہوا گوشت گیدڑوں اور بھڑیوں نے چٹ کر لیا، ہڈیوں  
سے لگا ہوا گوشت گدھوں نے صاف کر دیا، باقی ذرات پٹیوٹیوں نے اڑا لیے  
ہڈیاں کتوں نے نگل لیں۔ اب اس کی ”برزخ“ شیروں کا پیٹ ہے یا  
گیدڑوں اور بھڑیوں کا، گدھوں کا پیٹ ہے یا چوٹیوں اور کتوں کا؟ یا بیک  
وقت اس کی بہت ساری ”برزخیں“ ہیں؟ پھر ان سب نے کھا کر اسے فضلہ کی  
صورت میں خارج کر دیا، ”برزخ“ ختم ہو گئی؟ پھر خزیروں نے اس گندگی کو  
کھایا، اب ایک نئی ”برزخ“ بن گئی؟ اور ان خزیروں کے فضلے سے دوسری  
تیسری..... کیا ہندوؤں کے آواگون یا قحاح کی طرح یہ ”برزخی“  
سلسلہ کہیں رکے گا بھی یا نہیں؟ مزید دیکھیں کہ عمارت گر گئی، بم پھٹ گیا، جہاز کا  
حادثہ ہو گیا یا زلزلہ آ گیا، کسی کی ٹانگ کسی کے ہاتھ کے ساتھ دفن ہوئی، کسی کا دھڑ  
کسی کے سر کے ساتھ دفن ہوا۔ ”الف“ کی ”برزخ“ میں ”ب“ کی ”برزخ“  
شامل ہو گئی.....

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمِنْ أُولَئِكَ مَنْ مَلَاحُ إِلَى يَوْمِ يَبْعَثُونَ

”ان سب مرنے والوں“ کے پیچھے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ”برزخ“ ہے  
 اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ”ان سب مرنیوالوں“ کے پیچھے ”برزخیں“ ہیں  
 لیکن تم نے ہر مرنے والے کی علیحدہ برزخ بنا ڈالی! کتاب اللہ سے بے اعتنائی  
 کی روش اختیار کرتے ہوئے ذرا اللہ کا خوف نہ آیا! اکابر پرستی نے ایسا اندھا  
 کر دیا ہے کہ قرآن کی آیات پر غور تک کرنے کو تیار نہیں! مائتہ لا تَرْفَعُونَ يٰۤاَهْلَ الْاٰمَانِ  
 اللہ تعالیٰ کچھ عقیدہ دیتا ہے اور تم شیخ القرآن ہونے کے وعید اقرآن ہی کے  
 خلاف عقیدہ دیتے ہو! آنکھیں رکھنے والو دیکھو! اللہ نے واضح نشانیاں نازل  
 فرمائی ہیں:

فَوَكَّلْنَا لَهُ سُلَيْمَانَ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۚ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٥٥﴾ (المؤمن: ٥٥)

”آخر کار ان لوگوں نے جو بری چالیں اس کے خلاف چلیں تو اللہ نے ان سب سے اس کو بچا لیا اور خود آل فرعون بدترین عذاب کے پھیر میں آ گئے۔  
جنم کی آگ ہے جس پر سچ و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں اور جب قیامت برپا ہوگی تو (تھم ہوگا کہ) آل فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کر دو۔“

اب بتاؤ کہ فرعون اور اس کے حواریوں کو علیحدہ علیحدہ ”برزخوں“ میں عذاب







قرآن قرار پاسے گا، لہذا ضروری ہے کہ قرآن کی معنوی تحریف کی جائے۔

اب اگر علقین کے بارے میں ان کا یہ من گھڑت موقف صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو علقین کے بارے میں تو کِتَابُ مَرْفُوعَةٍ کے ساتھ يَنْفَعُهُ الْمُفْرُؤُونَ ”اس کی عکدداشت حرب (فرشتے) کرتے ہیں“ کے الفاظ نہیں آتے (جن سے یہ وہاں لوگوں کی موجودگی کا ثبوت نکید کرتے ہیں)، تو کیا مرنے والے صرف علقین میں جاتے ہیں، علقین میں نہیں جاتے؟ نیک لوگوں کو تو بقول آپ کے، علقین میں قیامت تک راحت ملتی رہے گی لیکن علقین والوں کا کوئی تو مقام بتا دو جس کے ساتھ يَنْفَعُهُ الْمُفْرُؤُونَ کے الفاظ آتے ہوں تاکہ پتہ چلے کہ یہاں بھی لوگوں کو داخل کیا جاتا ہے؟ چونکہ جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، اس لیے فن دیداری کے داؤ بیچ لگاتے ہوئے کہتے ہیں:

”اسی طرح جہاں علقین کا ذکر آیا ہے وہاں کِتَابُ مَرْفُوعَةٍ کے ساتھ وَيْلٌ لِّمُؤْمِنِي  
لِلْمُفْرُؤِينَ کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی اس میں اندراج کے دن ہی سے ان  
بھٹانے والوں کی بلاکت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔“

ملاحظہ فرمائی ان الحمد یثوں کی دیدہ دلیری! یَوْمَئِذٍ کا ترجمہ ”اندراج کا دن“ کیا ہے، جبکہ اس سورہ کی ابتدا ہی میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ یہ کون سے دن کی بات ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اُنْزِلَ عَلَيْهِمْ الْقُرْاٰنُ عَلٰى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَاِذَا اُنْزِلُوْهُمْ  
اَوْزَوْهُمْ عَنْ فَهْمِهِمْ ۝ اَلَا يَبْطِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ اَكْبَهٗمْ فَبَعَثُوْنَا اِلَيْهِمْ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ  
يَقُوْمُ النَّاسُ بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ كَلَّا اِنَّ كِتٰبَ الْفُهٰرِ لَفِيْ رَيْبٍ ۝ وَمَا اَكْبَرُكَ  
مَاسِيْعِيْنَ ۝ كِتٰبُ مَرْفُوعَةٍ ۝ وَيْلٌ لِّمُؤْمِنِيْهِ لِمَا كَذَّبُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُمَكِّدُوْنَ  
بَيِّنَاتٍ لِّلَّذِيْنَ ۝ (المطففين: ۱ تا ۱۱)

”بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد ہی انہیں کا خیال نہیں۔ اس عظیم دن کے لیے۔ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ بھناہ کاروں کا نامہ اعمال علقین میں ہے۔ تجھے کیا معلوم علقین کیا ہے۔ (پتہ تو) گھسی ہوئی کتاب ہے۔ اس دن بھٹانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ جو جزا سزا کے دن کو بھٹاتے رہے۔“

(تفسیر اسن الہیان، ترجمہ محمد ہونا گڑھی الحمد یث)

اب بتا ہے کہ اس سورہ میں یَوْمَئِذٍ سے مراد کونسا دن ہے؟ آگیا اس سے رب

العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا ”عظیم دن“ یعنی یوم قیامت مراد ہے یا کسی ایک انسان کی موت اور علقین میں اس کے اندراج کا دن؟ یہ ہے الحمد یثوں کا طریقہ واردات! یہی بات تو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو کلام اللہ کو سنتے اور سمجھتے کے بعد اسے بدل ڈالتے ہیں (البقرہ: ۷۵)۔ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہاں یَوْمَئِذٍ سے مراد کونسا دن ہے، لیکن تحریف اس لیے ضروری ہے کہ اگر علقین و علقین محض اعمال ناموں کی کتاب ہی ثابت ہو جائیں تو ان کا فرق پھر جموں کا فرق نہ کہلائے! اسی لیے ایک الحمد یث مفتی نے اس باطل عقیدے کو حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے:

”سلف صالحین نے علقین و علقین کو اعمال ناموں کے دفتر کے علاوہ روحوں کا جو ممکن کہا ہے تو انکی یہ بات بالکل بے دلیل نہیں بلکہ اس کی پشت پر کچھ احادیث و آثار موجود ہیں جن سے علقین و علقین کی کچھ وضاحت سامنے آتی ہے۔ چنانچہ ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَهْلَ الْاُخْرَةِ لَيُؤْفَنُوْنَ اَهْلَ عِلْقِيْنَ..... (مسند احمد، جلد ۳، صفحہ ۶۱)  
”بے شک علقین لوگ علقین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم پیکدار ستارے کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو۔ بے شک ابوبکرؓ اور عمرؓ ان (علقین) میں سے ہیں اور دونوں آرام و مقام پر ہونگے۔“

(الدین الخالص قسط اول، صفحہ ۳۷، از ابو جابر دماناوی)

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قرآن و حدیث کا دیا ہوا عقیدہ ہی اختیار کیا جاتا لیکن اب اپنے فرقے کے اس عقیدے کو بچانے کے لیے قرآن کے مقابلے میں ضعیف روایت پیش کی گئی ہے۔ یہ روایت دو اسناد سے آتی ہے اور دونوں ہی انتہا درجے کی ضعیف ہیں۔ پہلی سند میں عطیہ بن سعد بن جنادہ ہے۔ جس کا شمار کوفہ کے شیعوں میں کیا جاتا تھا۔ اس نے اپنی طرف سے الکسی کی کنیت ابوسعید رکھ لی تھی اور کہتا تھا کہ مجھ سے ابوسعید نے روایت کی اور لوگوں کو وہم ہو جاتا تھا کہ یہ ابوسعید الخدریؓ ہیں۔ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۳، صفحہ ۵۱۰-۵۱۱)؛ دوسری سند میں محمد بن سعید ہے: اس راوی کو بھی محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا کہ اسکی روایت نہ بیان کی جائے۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۶، صفحہ ۱۷۲-۱۷۳)۔ پھر اگر اس روایت کے متن پر غور کیا جائے تو بھی اس سے ان کا عقیدہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس روایت کا یہ جملہ بطور پڑھیں: ”بے شک علقی علقین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسا تم چاند دار ستارے کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو“ انکو یا علقی علقین و علقین والے علقیدہ۔“



ابھی تک تو یہ لوگ یہی عقیدہ دیتے چلے آئے ہیں کہ نیک روحیں علیین میں رہتی ہیں اور یہ برزخی معاملہ ہے۔ حیرت ہے کہ علیین اگر برزخ ہے تو کیا وہ قیامت کے بعد بھی باقی رہے گی! قرآن تو برزخ صرف قیامت کے دن تک کے لیے بیان کرتا ہے۔ پھر اس روایت کے مطابق جنتی لوگ علیین والوں کو دیکھیں گے تو نیک لوگ جنت میں ہوں گے یا علیین میں؟ اور پھر فرماتے ہیں: "بے شک ابوبکرؓ اور عمرؓ (اہل علیین) میں سے ہیں" اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ علیین کوئی مقام ہے جہاں ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہوں گے۔ حالانکہ طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی صحیح حدیث کا متن قرآن سے بظاہر ٹکراتا ہو محسوس ہو تو اس حدیث کی تاویل قرآن کے مطابق کی جائے نہ کہ اپنے خود ساختہ عقیدے کو اس سے اخذ کیا جائے۔ اسی طرح اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کی تاویل اس طرح کی جائے گی کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان مقرب لوگوں میں سے ہیں جن کے اعمال سے علیین (لکھی ہوئی کتاب) میں ہیں۔

الغرض علیین و جنتین قرآن کے بیان کے مطابق لکھی ہوئی کتاب ہیں، اس کے علاوہ کتاب اللہ سے کوئی وضاحت نہیں ملتی بلکہ واضح کر دیا گیا کہ تم اس کی تفصیل نہیں جانتے۔

الحمد یت برزخ کے بارے میں ایک اور گمراہ کن عقیدہ رکھتے ہیں، ملاحظہ ہو: "برزخ دراصل دو مختلف یا متضاد چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز کا نام ہے۔ جس میں پہلی دونوں اشیاء کے طے چلے اوصاف پائے جاتے ہیں اور وہ آذکار کام بھی دے خواہ یہ اوصاف برابر ہوں یا کسی ایک چیز کے کم اور دوسری کے زیادہ، جیسے جنت اور دوزخ کے درمیان اعراف برزخ ہے..... نیند ای لحاظ سے برزخ ہے کہ اس میں زندگی اور موت کے طے چلے آثار پائے جاتے ہیں، اگرچہ اس میں غالب اثرات زندگی کے ہی ہوتے ہیں موت کے نہیں۔" (روح، مذاہب قبر اور سماع موتی، صفحہ ۳۲) فرماتے ہیں:

"جس میں پہلی دونوں اشیاء کے طے چلے اوصاف پائے جاتے ہیں وہ آذکار کام بھی دے"

ان کی یہ تشریح بھی کتاب اللہ کا صریح انکار ہے۔ اس قسم کی تشریحات اور بے سرو پا قیاسی باتیں صرف اس لیے کی جاتی ہیں کہ ان کو بنیاد بنا کر اپنے فرقے کے گمراہ کن عقائد کو بچایا جاسکے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ اس قسم کی بے بنی باتیں بنانے میں الحمد یت پیش پیش ہیں۔ ان کے کتنے ہی خود ساختہ عقائد پہلے بیان کیے جا چکے ہیں اور ایک طویل فہرست آگے آپ کے سامنے

آنے والی ہے۔ ان کے عقائد کی بنیاد صرف موضوع و مگر روایات اور ان کے اکابرین کے دیے ہوئے گمراہ کن تصورات ہیں۔ جب کتاب اللہ سے اس کا جواب مانگا جاتا ہے تو بے بس ہو کر قرآن و حدیث کی غلط اور بے سرو پا تاویل کے ذریعے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً یہ کہتے ہیں کہ آڑ میں دو متضاد چیزوں کے اوصاف پائے جاتے ہیں جیسے جنت و دوزخ کے درمیان اعراف۔ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں جانے والے گروہ اور جنت میں داخل کیے جانے والے گروہ کا ذکر فرمایا ہے، اور اس کے بعد ایک تیسرے گروہ کا ذکر فرمایا گیا جن کو اصحاب اعراف کہا ہے: (اعراف: ۳۶، ۳۷)

وَيَسْتَعْجِلُ أَجْلَهُ دُعَاؤُا عَلَى الْأَعْرَافِ بِجَالٍ يُعَذِّبُونَ كُلًّا لَّيْسَ لَهُمْ شُرَكَاءُ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ إِنَّ سَلَاحَهُمْ عَلَيْهِمْ لَكَرْيَدٌ خَالُوهُمْ وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَلَوْ أَصْوَافُ أَبْصَارُهُمْ يَتْلَوْنَ مَا أَصْغَبُ الْبَلَاءُ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مِمَّنْ يَلْقَوْنَ الظُّلُمَاتِ ﴿٣٧﴾

"ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اوٹ حائل ہوگی اور اعراف پر کچھ اور لوگ ہوں گے۔ یہ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنت والوں سے پکار کر کہیں گے "سلامتی ہو تم پر"۔ یہ لوگ جنت میں داخل تو نہیں ہوئے ہوں گے مگر اس کے امیدوار ہوں گے، اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے "اے رب ہمیں ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا"۔

برزخ تو ایک ناقابل عبور آڑ ہے جس کے پار دیکھنا جائز نہیں، مگر یہ اعراف کون سی برزخ ہے کہ دونوں جانب کے لوگ ایک دوسرے کو دیکھ بھی رہے ہیں اور آپس میں باتیں بھی کر رہے ہیں جیسا کہ اگلی آیات میں بتایا گیا ہے۔ اب اپنے دعوے کے مطابق بتائیے کہ "اعراف" میں جنت اور جہنم کی کوئی ملی جلی کیفیت ہے؟ کیا اعراف میں آگ بھی جل رہی ہوگی اور جنتوں جیسے لازوال باغ بھی ہوں گے! کیا وہاں انسانوں کو آب کوثر، دودھ و شہد بھی پلایا جا رہا ہوگا اور گرم کھولتی ہوئی پیپ بھی! کچھ تو اللہ کا خوف کیا ہوتا۔ اگر نفس کے غلام بننے کے بجائے اللہ کے مسلم (مطيع) بن جاتے تو دنیا بھی سدھر جاتی اور آخرت کا تو کہنا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے برزخ کو "آڑ" قرار دیا ہے، کاش یہی عقیدہ اپنا لیتے تو اللہ کے یہاں معزز ہو جاتے، لیکن مسلکی عقیدے کا دفاع کرتے ہوئے "برزخ" کی وہ تشریحات کی جارہی ہیں جو سوائے اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کو دعوت دینے کے اور کچھ بھی نہیں۔ اعراف کے یہ لوگ تو وہ ہیں جو جنت میں جانے والے ہیں اور جہنم سے بچائے جانے کی اپنے رب سے دعا کرتے ہیں۔ کتاب اللہ میں ایک مقام جزا کا بیان کیا گیا ہے اور ایک سزا کا،



لیکن کوئی ایسا مقام ہے ہی نہیں جہاں جزا و سزا کی ملی جلی کیفیت ہو۔

پہلے "اعراف" کی غلط تشریح کی گئی اور پھر "حالت نیند" کو بھی "برزخ" بنا ڈالا۔ برزخ کی تشریح کرتے ہوئے کہا تھا

"برزخ دراصل دو مختلف یا متضاد چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز کا نام ہے۔ جس میں پہلی دونوں اشیاء کے ملے جلے اوصاف پائے جاتے ہیں اور دو آزاد کام بھی دے۔"

الحدیثوں کے یہ ترجمان بتائیں کہ یہ نیند کس کے درمیان "آؤ" ہے؟ کیا کتاب اللہ میں کہیں لکھا ہے کہ یہ زندگی اور موت کے درمیان آؤ ہے یا محض اپنے باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے یہ کھینچ تان کی جارہی ہے؟ نیند کو برزخ اس لیے قرار دیا جا رہا ہے کہ آگے ان کا ایک خود ساختہ عقیدہ بیان کیا جائے گا کہ عذاب قبر خواب کی کیفیت کی طرح ہے، اور انسان خواب کب دیکھتا ہے جب حالت نیند میں ہوتا ہے۔ نیند میں زندگی اور موت کی ملی جلی کیفیت ہوتی ہے اس لیے "آؤ" کی تشریح یہ کی گئی کہ

"جس میں پہلی دونوں اشیاء کے ملے جلے اوصاف پائے جاتے ہیں۔"

قارئین! برزخ کے حوالے سے ان فرقہ پرستوں کی کتنی ہی بے سرو پا تاویلات آپ کے سامنے پیش کی گئیں۔ کہیں برزخ کو ایک پردہ قرار دیا گیا، کبھی انسان کی روح قبض کیے جانے کے وقت کو برزخ کہا اور کبھی قبر برزخ بنی۔ یعنی حق جانتے ہوئے حق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يَنْفَعُ الْفُلُ مَا يَكْفُلُونَ الْفُلَ وَمَنْ يَكْفُلُ الْفُلَ (البقرة: ۱۷۶)

"اور ان میں ایسے بھی ہیں جو حق کو چھپاتے ہیں جبکہ وہ اسے جانتے ہیں"

اس مضمون میں ہم نے دیوبندیوں کی ایک کتاب "عالم برزخ" کا حوالہ بھی دیا ہے، یہ کتاب ان کے بڑے نامی گرامی عالم قادری محمد طیب جو کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے قرآن کریم کی آیات کی من مانی تشریح، موضوع و منکر روایات اور جموٹے واقعات سے اس زمینی قبر ہی کو عذاب کا مرکز اور برزخ قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، لیکن اسی ترنگ میں ساتھ ہی یہ بھی لکھ گئے:

"اسی طرح برزخ والے دنیا والوں کے احوال بھی معلوم کرنے کے خواہشمند

رہتے ہیں جیسے جس حدیث نبویؐ کے بعد روز کے عالم برزخ میں

پہنچتے ہی میت کے اعزاء و احباب اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں۔" (صفحہ ۱)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تو "انسان کی روح قبض کرنے کا وقت"

اور "اس کے دفنانے کی جگہ" برزخ ہے، یا بقول ان کے اگر نہیں دفنایا گیا تو

"ہمارے اور اس مردہ کے درمیان" برزخ ہے تو اب یہ "عالم برزخ" کہاں

سے آیا؟ مثال کے طور پر "الف" کراچی میں مرا، ان کے عقیدے کے مطابق

ان کی برزخ کراچی کے کسی قبرستان میں ہے۔ "ب" امریکہ میں ڈوب گیا

چنانچہ اس کی "برزخ" امریکہ کے سمندر میں ہوگی۔ "ت" کو افریقہ کے جنگل

کے درندے کھا گئے، گو یا اس کی برزخ افریقہ کے جنگل میں بسنے والے درندوں

کے پیٹ ہیں۔ تو اب "عالم برزخ" میں ان سب کی روئیں کہاں سے آئیں گی؟

کوئی ان سے پوچھے کہ آپ نے تو کتابیں لکھ لکھ کر امت میں یہی عقیدہ پھیلا دیا

ہے کہ یہی قبر اس مردے کی برزخ ہے، یہیں اس کی روح لوٹائی جاتی ہے، اسی

میں اس کو عذاب دیا جاتا یا راحت ملتی ہے، تو اب ان سب کی روئیں "عالم

برزخ" میں کیا کرنے چلی گئی ہیں؟

"حقیقت یہ ہے کہ ان سب کے تحت المشعور میں کتاب اللہ کا دیا ہوا

عقیدہ "عالم برزخ" موجود ہے باقی یہ ساری مناقشات محض اپنے فرقے کو

بچانے کے لیے ہے۔ یہ حق جانتے ہیں لیکن اس کو چھپاتے اور باطل کو پھیلاتے

ہیں، اس لیے کہ ان کے فرقے کے بڑے یہ باتیں لکھ گئے ہیں، ان کو کہاں لے

کر جائیں!

دیوبندیوں کے ایک دوسرے سرخیل اشرف علی تھانوی صاحب عالم

برزخ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اور عالم مثال کا اثبات کرتا ہوں۔ سو سمجھ لیجئے کہ یہ ثابت ہے اشارات

نصوص سے۔ اور اشارات تو میں نے احتیاطاً کہہ دیا ہے ورنہ وہ اشارات

بہرہ صراحت کے ہیں تو گویا بالصریح یہ بات ثابت ہے کہ ملاوہ شہادت

یعنی دنیا کے اور عالم غیب یعنی آخرت کے ان دونوں کے درمیان میں ایک

اور بھی عالم ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں جو من وجہ مشابہ ہے عالم شہادت

کے اور من وجہ مشابہ ہے عالم غیب کے یعنی دو برزخ ہے درمیان دنیا اور

آخرت کے اور اس عالم کے سامنے سے ہزاروں اشکالات قرآن و حدیث

کے حل ہو جاتے ہیں۔

تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے۔ وہاں

ایک آسمان بھی ہے مشابہ دنیا کے آسمان کے اور ایک زمین بھی ہے مشابہ دنیا

کی زمین کے۔ اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے لیکن وہ بھی ہے جسم

ہی۔ تو مرنے کے بعد تو روح کے لئے ایک جسم مثالی ہوگا اور آخرت میں جو

جسم ہوگا وہ یہی ہوگا جو دنیا میں ہے۔"

(اشرف الجواب از اشرف علی تھانوی صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷)



عالم برزخ کی جو تشریح قرآن وحدیث سے ملتی ہے وہ ہے ”آئ کے پیچھے کا عالم“ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ عالم دنیا اور آخرت کے علاوہ ایک دوسرا عالم ہے، تو اس کا کوئی ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں ملتا، بلکہ عالم برزخ تو ہے ہی عالم آخرت کا حصہ۔ قرآن وحدیث میں جہاں مرنے والے کے لیے قیامت تک اس عالم میں رہنے کا ذکر ہے وہاں اس عالم کے ثواب وعذاب کی جگہ جنت، دوزخ اور قبر بیان کیا گیا ہے۔ یہ کوئی جنت یا دوزخ ہے، اس کی بھی کوئی وضاحت کتاب اللہ سے نہیں ملتی۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان ایک دوسرے جسم کے ساتھ یہاں داخل کیا جاتا ہے البتہ قیامت کے دن سارے انسان اپنے انہی دنیاوی جسموں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت یا جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

اہل تشیع نے بھی اسے بطور ”بہشت برزخ“ بیان کیا ہے، سورہ ناس میں بیان کیے گئے واقعے اور جنت میں داخلے کے حکم پر فرماتے ہیں:

”پس یہاں پر جو پروردگار عالم فرماتا ہے کہ ”نعم ہوا جا بہشت میں“ امام فرماتے ہیں بہشت یعنی بہشت برزخی اور ایک دوسری روایت میں جنت دنیوی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی بہشت قیامت سے نچلے درجے کی۔“ (برزخ، صفحہ ۱۰۱، آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین اہل تشیع)

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

”برحمت جہنم برزخی کا مظہر ہے۔“ (ایضاً، صفحہ ۱۱)

یہ بھی ان کے مذہب کے دیگر نوادرات کی ہی قبیل کی کوئی چیز ہے ورنہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی اس جنت کو ”برزخی جنت“ یا ”دنیوی جنت“ اور جہنم کو ”برزخی جہنم“ نہیں بیان کیا گیا، بلکہ اسے صرف جنت یا جہنم کہا گیا۔ غزوہ احد کے شہداء تو ایسی جنت میں داخل کیے گئے ہیں کہ جس میں عرش الہی سے قدسیں لٹکی ہوئی ہیں۔ اسی طرح غزوہ بدر کے موقع پر شہید ہونے والے عارث رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا کہ جنتوں کی تعداد تو بہت ہے اور وہ تو جنت الفردوس میں ہیں۔

”برزخ“ کے بعد اب ہم ان فرقہ پرستوں کی طرف سے ”روح“ کے سلسلے میں پھیلائی گئی مغالطہ آرائیاں اور کتاب اللہ سے ان کا موازنہ پیش کرتے ہیں۔

## روح

روح کے بارے میں جو عقائد لوگوں کے درمیان پھیل گئے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

”جب منکر و کبیر قبر میں سوال کرنے کیلئے آتے ہیں اس وقت روح لوٹا جاتی ہے۔“ (فتاویٰ نذیریہ: حصہ اول، صفحہ ۶۷۲، میاں نذیر حسین دہلوی المجددیت)

بات قبر میں سوال جواب کے نام پر روح لوٹائے جانے سے شروع ہوتی ہے اور پھر کہنے والے یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ:

”دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ زور زور سے اُن ولی اللہ کو پکار کر یہ کہیں۔ اس صورت میں اعتقاد کی خرابی تو لازم نہ آئے گی مگر یہ اندھیرے میں تیر جانا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ پکار رہے ہوں اور وہ نہ سن رہے ہوں۔ کیونکہ سماع موتی کا مسئلہ مختلف قید ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا سماع تو ممکن ہو، مگر ان کی روح اس وقت وہاں تشریف نہ رکھتی ہو، اور آپ خواہ مخواہ خالی مکان پر آوازیں دے رہے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روح تشریف فرما تو ہو مگر وہ اپنے رب کی طرف مشغول ہوں۔“

(رمانیں، مسائل، حصہ سوم، صفحہ ۳۶۵، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷



میں پہنچا دی جاتی ہے اور قیامت تک کا یہ دور اس نے وہیں گزارنا ہوگا تو اب اللہ تعالیٰ کی بات کے بعد آخر کس کی بات ہے کہ جس پر یہ فرقہ پرست سوال و جواب کے واسطے روح کے لوٹائے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟

روح لوٹائے جانے کے عقیدے کی بنیاد؟

ان کے اس عقیدے کی بنیاد و اصل اکابر پرستی ہے، اس امت میں سب سے پہلے احمد بن حنبل نے یہ عقیدہ فراہم کیا کہ

”مفکر کبیر، عذاب قبر، ملک الموت کے ارواح قبض کرنے، پھر ارواح کے قبروں کے اندر جسموں میں لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے، اور اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔“ (طبقات حنا جلد جز ۱، اول صفحہ ۳۴۴)

یہی وہ عقیدہ ہے جو قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے لیکن اس کے باوجود یہ ان کے ایمان کی بنیاد بنا ہوا ہے۔ ایک طرف قرآن و حدیث کا بیان ان کے سامنے آتا ہے تو بادی النظر میں ”اعادہ روح“ کا انکار کرتے ہیں، لیکن دوسرے نبی علیہ السلام کا برین اور فرقہ کا خیال آتا ہے تو اس باطل پریدے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالتے ہیں۔ اب جبکہ ان کا عقیدہ ہے ہی خلاف قرآن و حدیث، اس لیے مجبوراً بار بار موقع اور حالات کے حوالے سے اپنے عقیدے کو تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال الجحدیث مفتی ابو جابر عبد اللہ دامانوی کی کتاب ”عقیدہ و عذاب قبر“ ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں روح کے بارے میں کیا کیا بیان ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

جہاں ”روح اور جسم کی جدائی کا نام موت ہے اور قیامت تک روح اور جسم  
میں جدائی رہے گی اور جب قیامت برپا ہوگی تو روح کو دوبارہ جسم میں داخل  
کر دیا جائے گا۔“ (عقیدہ عقاب تہذیب صفحہ ۷۷، ۷۸)

سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۴۲ لکھ کر اپنے عقیدے کا دوسرا رخ پیش کرتے ہوئے  
کہتے ہیں:

﴿اس آیت میں بے شمار موتوں اور بے شمار زندگیاں کا تذکرہ ہے وہاں "اعادہ روح" کا بھی تذکرہ موجود ہے جو ہر شخص کے بیدار ہونے پر اس کی طرف ہوتا ہے لہذا جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ قیامت سے پہلے اعادہ روح نہیں ہوتا تو ان کا یہ قول جلا دیکل ویربان ہے۔﴾ (المنہاج صفحہ ۸۳)

خینہ کے بعد بیدار ہونے سے مرنے کے بعد اعداد و روح ثابت کرنا بھی پیشہ وارانہ فن کاری بلکہ دانشتہ فریب کاری کا انداز ہے۔ مزید گھل افتاشی فرماتے ہیں کہ:

عقود و عیال و عیال

رومیں بدن میں واپس لوٹ جائیں؟ اگر ہم نے ایسا ہونا تسلیم کر لیا تو اس سے مخالفت قرآن لازم آنے لگی (عذاب قبر کا معاملہ دوسرا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں) اور قرآن کی مخالفت تو وہی کر سکتے ہیں جو حیات الانبیاء کا نفوذ ساختہ عقیدہ رکھتے ہیں۔“

(دقائق الانبیاء و صلحہ ۴۴، علامہ سعید بن عزیز جو سیف زکی الہدیث)

قارئین! ملاحظہ فرمایا ان کا فرمانا کہ جو یہ عقیدہ رکھے کہ قیامت سے قبل اس جسم میں روح لوٹا دی جاتی ہے وہ مخالف قرآن، یعنی قرآن کا انکار ہی ہے۔ لیکن کفر کے اس فتویٰ کا آغاز انہوں نے صرف اپنے حریفوں پر کیا ہے، اہلحدیثوں کو یہ کہہ کر بچا لیا ہے کہ ”مذاب قبر کا معاملہ دوسرا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں“ کیونکہ یہ تو گھر کا معاملہ ہے! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”روح لوٹائے جائے“ کا عقیدہ رکھنا کفر ہے، تو عذاب قبر کے لیے یہ عقیدہ کیسے عین قرآن پر ایمان کہلائے گا؟ قرآن میں کہیں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ روح قیامت تک نہیں لوٹائی جائے گی لیکن عذاب قبر کے لیے؟ اس دورے میں یہ اس آیت کے مصداق ہیں:

أَتَاخُذُونَ الْإِنْسَانَ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِشُرُوفِ أَنْفُسِهِمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ  
(البقرة: ٢٢٠)

”کیا لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، پھر کیا تم سمجھتے نہیں۔“

ہیں دونوں ایک ہی عقیدے کے ماننے والے، مگر ایک پر قرآن کے مخالف ہونے یعنی کفر کا فتویٰ اور دوسرا قرآن پر ایمان کا دعویدار! (کیونکہ گھر کی بات ہے) حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کو بیان فرمادیا کہ مرنے والے کی یہ روح قیامت سے قبل اس دنیاوی جسم میں نہیں اٹھائی جائے گی تو چاہے کوئی روح کے بار بار یا ہمیشہ کے لیے لوٹائے جانے کا عقیدہ رکھے یا صرف سوال و جواب کی حد تک اعادہ مانے، بہر صورت قرآن کا انکار لازم آتا ہے۔

نور طلب بات یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ ”غدا قبر کا معاملہ دوسرا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں“ کس بنیاد پر ہے؟ قرآن مجید سے تو اس کی وضاحت ہو چکی ہے، اس سے قبل نقل کردہ مسلم کی حدیث میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے کہ جب فرشتے کسی مسلم یا کافر کی روح لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں تو مالک کائنات حکم فرماتا ہے: **انطلقوا بہ الیٰ اٰخراہ الاٰجل** ”لے جاؤ اس کو آخری وقت تک کے لیے“ (مسلم: کتاب الجنۃ و صفتہا) دیگر احادیث سے بھی یہی بات ثابت ہے کہ مرنے والے کی روح جنت یا جہنم (عالم برزخ)



☆ ”مرنے کے بعد روح جنت یا جہنم میں داخل کر دی جاتی ہے جبکہ جسم اپنی قبر میں عذاب یا ثواب سے ہمکنار ہوتا رہتا ہے اور یہی عقیدہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اس لئے کہ اگر روح جسم میں واپس آجائے تو پھر یہ عذاب مردہ کو نہیں بلکہ زندہ کو ہوا جبکہ احادیث صحیحہ وضاحت کرتی ہیں کہ عذاب قبر میت (مردہ) کو ہوتا ہے۔ البتہ سوال وجواب کے لیے میت کی طرف روح کو کچھ دیر کے لیے لوٹایا جاتا ہے اور یہ استثنائی حالت ہے۔“

(ایضاً صفحہ ۲۵)

☆ ”اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مومن کی روح جنت میں رہتی ہے اور قیامت کے دن ہی اسے اس کے جسم کی طرف لوٹایا جائے گا۔“

(ایضاً صفحہ ۷۷)

☆ ”پس ثابت ہوا کہ اعادہ روح الی القبر کا عقیدہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور عذاب القبر اور اعادہ روح الی القبر دو الگ الگ مسئلے نہیں بلکہ اعادہ روح کا تعلق بھی عذاب القبر ہی سے ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۷۷)

☆ ”ان دلائل سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ مومن کی روح جنت میں عیش و آرام کرتی ہے، وہاں کی نعمتیں کھاتی ہے، پرندوں کی طرح اڑتی پھرتی ہے۔ اور دوسری طرف کافر و مشرک اور منافق کی روح جہنم میں رہتی ہے اور عذاب سے دوچار ہوتی رہتی ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۷۷)

☆ ”پھر (کافر کی روح کو) آسمان سے پھینک دیا جاتا ہے پھر وہ روح قبر میں کھینچی جاتی ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۸۱)

اضطراب سے بھرپور مندرجہ بالا عبارات پڑھ کر بیساختہ و شعر زبان پر آگیا جو یہ لوگ دوسروں کے لیے لکھا کرتے ہیں کہ

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا..... کچھ نہ کہجے ”خدا“ کرے کوئی

ملاحظہ فرمایا کہ جب انسان کا عقیدہ کتاب اللہ کی بجائے کسی اور بنیاد پر ہو تو کیسی کیسی فلازیاں کھانی پڑتی ہیں۔ پہلے کہتے ہیں کہ روح قیامت تک اس جسم میں واپس نہیں آسکتی، پھر کہتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ قیامت سے پہلے اعادہ روح نہیں ہوتا ان کا یہ قول بلا دلیل ہے۔ یعنی خود ہی ایک بات بیان کرتے ہیں اور اپنے کہے کو غلط بھی کہتے ہیں۔ قبر میں روح لوٹائے جانے کو استثنائی مسئلہ قرار دیتے ہیں اور پھر خود ہی کہتے ہیں کہ اعادہ روح اور عذاب قبر الگ الگ مسئلے نہیں بلکہ یہ ایک ہی مسئلہ ہے یعنی اب یہ استثنائی مسئلہ بھی نہیں رہا بلکہ عذاب قبر کا حصہ بن گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ روح کا قبر میں لوٹنا احادیث سے ثابت ہے مگر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ روح جنت میں رہتی ہے اور روز قیامت ہی اس کے جسم میں لوٹے

گی۔ پھر ایک طرف کہتے ہیں کہ کافر کی روح قیامت تک جہنم میں رہے گی تو دوسری طرف کہتے ہیں اس کی روح آسمان سے پھینک دی جاتی ہے اور وہ قبر میں آ جاتی ہے۔ شاید ایسے ہی موقعہ کے لیے کہا جاتا ہے کہ دروغ گو را حافظہ باشد! عبدالرحمن کیلانی کی محولہ بالا کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی روح کے بارے میں ایسے ہی بے شمار متضاد عقائد کی بھرمار ملے گی۔

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ اس عقیدے کی بنیاد صرف اور صرف احمد بن حنبل کا دیا ہوا عقیدہ ہے، اب عقیدہ تو اپنا لیا لیکن کیسے اقرار کیا جائے کہ یہ ہمارے اکابر کا عقیدہ ہے اس لیے اپنا یا ہے؟ بہر حال، اس کا دفاع تو ضروری ہے، چنانچہ اس مقصد کے لیے اسے قرآنی آیات کی غلط تشریح اور موضوع و منکر روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ داماد نوی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۲ اور ۸۳ پر سورہ النعام کی آیت ۶۰ اور سورہ زمر کی آیت ۳۲ پیش کر کے قیامت سے قبل روح لوٹائے جانے کو ثابت کیا ہے، لہذا ضروری ہے کہ اس کی حقیقت بھی لوگوں کے سامنے لائی جائے۔

### الجدیدت اور اعادہ روح

الجدیدت قرآن مجید کی ان آیات سے اعادہ روح کا عقیدہ ثابت کرتے ہیں:

وَهُوَ الَّذِي يُمْرِكُمْ بِالْقُلُوبِ وَيَعْلَمُ مَا يَحْتَضِرُونَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ  
أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّكَ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ إِلَيْهِ تَكُونُونَ (النعام: ۶۰)

”اور وہی تو ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، پھر وہ تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ ملے شدہ وقت پورا ہو۔ آخر کار اسی کی طرف پلٹ کر تمہیں جانا ہے پھر وہ تم کو بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔“

لَئِنْ يَتُوبَا إِلَىٰ اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ شَآءَ اللَّهُ يَرْسِلَ إِلَيْكُمَا الْغَمَامَ الْبَحْرَ يَسْفِطُ عَلَيْكُمْ سَفْطًا مِّنْهُ ثُمَّ يُغْرِقُ بِرُوحٍ مِّنْهُ فَجَعَلَهُ جَنَّةً مِّنَ الْجَنَّةِ لِمَن شَاءَ اللَّهُ يَهْدِي لِمَن يَشَاءُ اللَّهُ لَئِنْ يَشَاءْ اللَّهُ لَجُعِلَ لِهَٰذِهِمَا أَسَدًا مُّذْبَحًا مِّنْهُ يَذَّبُ عَنْهُ اللَّهُ وَمَن يُذِيقْهُ اللَّهُ الْفَقْرَ (الزمر: ۲۱)

”اللہ روح کو قبض کر لیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آتی ان کی موت کے وقت، پھر جس پر موت کا فیصلہ کرتا ہے اس کی روح روک لیتا ہے اور دوسری ارواح کو چھوڑ دیتا ہے ایک مقررہ وقت تک کے لیے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

پہلی آیت میں مکمل طور پر اور دوسری آیت میں موت کے علاوہ زندہ انسانوں کی



جہاں ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔“

ابجدیث احادیث صحیحہ سے عود روح ثابت کرتے ہیں!

اپنے اکابر کے اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے پھر احادیث کا سہارا لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ روح لوٹائے جانے کا عقیدہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ کی کوئی بات قرآن مجید کے دیے ہوئے عقیدے کا انکار کرے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ نبی ﷺ تو قرآن کے بیان کردہ عقائد و احکامات کی تشریح ہی کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اب جب قرآن قیامت سے قبل روح کے نہ لوٹائے جانے کا عقیدہ دیتا ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ کوئی حدیث اس کے خلاف بیان کرے۔ لیکن ابجدیث افروضعیف اور موضوع روایات سے اپنا عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسا کہ نبی ﷺ نے قرآن کے دیے ہوئے عقیدے کے برعکس مردہ مچھلی کو جانز قرا دے دیا اسی طرح قرآن کے دیے ہوئے عقیدے کے برعکس نبی ﷺ کی حدیث سے (نعوذ باللہ) روح کا واپس لوٹایا جانا بھی ثابت ہے! اپنے اس فعل کی توجیہ یہ لوگ اس طرح پیش کرتے ہیں:

”قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ مردہ (یعنی جو حلال جانور اپنی طبعی موت مر جائے) حرام ہے۔ اور اب کسی بھی مردہ کو کھانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ وہ حرام ہے۔ لیکن حدیث میں ہے: ”مسند رکا پانی پاک ہے اور اس کا ”مردہ“ (مچھلی) حلال ہے۔“ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مچھلی مردہ ہے لیکن اس کا کھانا حلال ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ حدیث قرآن کریم کے خلاف ہے لیکن جب قرآن وحدیث میں بظاہر تضاد ہوگا تو ان میں تطبیق دی جائے گی۔ اگرچہ مردہ حرام ہے لیکن مچھلی مردہ ہونے کے باوجود بھی حلال ہے کیونکہ یہ ایک استثنائی صورت ہے۔“ (عقیدہ مذاب قبر، صفحہ ۱۶، ۱۵)

ان مولویوں کو مدرسوں میں منطق بھی پڑھائی جاتی ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب اپنی کوئی بات قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو رہی ہو تو اس کو اس طرح الجھا کر پیش کیا جائے کہ سیدھے سادے لوگ جن کے پاس قرآن وحدیث کا اتنا علم نہ ہو، ان مولویوں کی باتوں میں الجھ کر رہ جائیں۔ یہی حربہ یہاں بھی آزمایا گیا ہے۔ پیش کی گئی آیت میں خشکی کے جانوروں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جب کہ پانی میں پائے جانے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم ہی میں فرما دیا ہے کہ:

سوتے ہوئے روح قبض کرنے اور انہیں دوبارہ چھوڑے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ (یہ بات یاد رہے کہ زندہ سوتے ہوئے اور مرنے والے انسانوں کی روح کا قبض ہونا بالکل مختلف بات ہے، اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی) لیکن ان لوگوں نے زندہ انسانوں کے لیے بیان کیے جانے والے طریقہ کار کو مرنے والوں کے ساتھ غلط ملط کر دیا، اور بڑے ”عالمانہ“ انداز میں بیان فرما دیا کہ

”لہذا جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ قیامت سے پہلے اعادہ روح نہیں ہوتا تو ان کا یہ قول بلا دلیل و برہان ہے۔“

ذرا غور فرمائیے کہ زیر بحث موضوع مرنے کے بعد کا ہے اور اس کے لیے دلیل زندگی کے دور سے دی جا رہی ہے! اور پھر مزید فرماتے ہیں:

”اور پھر یہ تفریق روا رکھنا کہ دنیا میں ہر مردہ انسان مرے اور ہر مردہ اس کی روح اس کی طرف لوٹائی جائے اور اس سے کئی زندگیاں اور کئی موتیں مراد نہ ہوں۔ اور آخرت وبرزخ میں اگر ایک مرتبہ اس کی طرف روح لوٹ آئے تو

یہ بات قرآن کے خلاف قرار پاجائے؟“ (ایضاً، صفحہ ۸۴)

گویا اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ ہر مردہ ایک مرتبہ بولتا بھی ہے، سنتا اور چلتا پھرتا بھی ہے تو اس سے قرآن وحدیث کا کوئی کفر نہ ہوگا، اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سننے اور بولنے والا بنایا ہے، یہ انسان ساری زندگی سنتا اور بولتا رہا ہے، اب اگر صرف ایک بار کے لیے یہ کہہ دیا جائے کہ یہ مرنے کے بعد بھی سنتا، بولتا اور زندگی کے دوسرے امور انجام دیتا ہے تو پھر کفر کیسا؟ ہمیں تو پہلے ہی اندازہ ہے کہ ان مسلک پرستوں بالخصوص ابجدیثوں کے نزدیک قرآن کی کیا حیثیت ہے اور کس طرح یہ لوگ قرآن کی آیات کا استہزاء کرتے ہیں! سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۳۴ خود انہوں نے پیش کی ہے، اس آیت میں موت سے ہمتا ہونے والوں کی روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کے لیے موت کا فیصلہ کرنا ہے اس کی روح روک لیتا ہے، اور سورۃ مومنوں کی آیات ۹۹، ۱۰۰ میں فرمایا گیا کہ مرنے والے کی یہ روح اب قیامت سے قبل واپس نہیں لوٹ سکتی۔ لیکن جو عقیدہ زندہ انسانوں کے لیے دیا گیا اس کو وفات پانے والوں کے لیے دلیل بنا کر قرآن کی بات رو کر دی گئی اور بڑے فخریہ انداز میں کہا ”تو یہ بات قرآن کے خلاف قرار پاجائے؟“ ان کا یہ انداز دیکھ کر بے ساختہ قرآن کی یہ آیت یاد آ جاتی ہے:

حَقُّمُ لِّلّٰہِ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ مِّمَّا کَفَرَتْ عَلٰی اٰیٰتِہٖ فِتْنٰۃٌ وَّ ذِکْرٌ لِّمَنْ عَنِیْہٖ الْعَذَابُ الْعَظِیْمُ (البقرہ: ۷۶)

”اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ



”حلال کرو یا گیا ہے تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا۔“

اس آیت میں سمندر میں مچھلیوں کو شکار کرنے اور ان کے کھانے کو حلال کہا گیا ہے۔ مردہ مچھلی کھانے کا بھی حدیث میں ثبوت ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے مردہ حالت میں پائی جانے والی ایک بڑی مچھلی کھائی اور اس کا گوشت نبی ﷺ کے لیے بھی لے کر آئے جسے آپ ﷺ نے ”رزق“ قرار دیا اور برکت کھایا۔ اسی طرح اگر مچھلی کے شکار کے لیے جال یا کاٹنا وغیرہ لگایا جاتا ہے تو اس سے شکار ہونے والی کافی مچھلیاں بھی مردہ حالت میں پانی سے نکالی جاتی ہیں۔ خشکی کے شکار کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوْا اَمْرِيْ ۖ فَآتِىْكُمْ بِالْحَدِيْثِ ۚ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنْ اٰمُوْرٍ مَّكِيْنٍ تَعْبُدُوْنَهُنَّ وَمَا عَلَّمْتُمُ  
اللَّهَ فَعَلُوا وَمَا تَكُنْ عَلَيْهِمْ ۚ وَادْكُرُوا السَّعْيَ الَّذِىْ عَلَيْهِمْ ۚ وَالْقَوَا اِلَٰهَ ۚ

(المائدة: ٣٠)

”کہو کہ تم پر حلال کر دی گئی ہیں پاک چیزیں اور جو سدھار رکھے ہیں تم نے شکاری جانور، شکار پر دوڑانے کے لیے کہ سکھاتے ہو ان کو وہ طریقہ جو سکھایا ہے تم کو اللہ نے۔ سو کھانا اس میں سے جو پکڑ کر لائیں تمہارے لیے اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔“

قرآن مجید نے خشکی کے شکار پر اللہ کا نام لینے کا حکم فرمایا اور احادیث نبوی ﷺ سے اس کی مکمل تشریح ملتی ہے کہ یہ شکار اسی وقت حلال ہوگا کہ جب ان کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ اس کے برعکس سمندری شکار کے لیے قرآن میں اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا گیا، البتہ حدیث سے اس کی تشریح مل گئی کہ اس کا مردار بھی حلال ہے۔ نیز دیگر جانوروں کی طرح شریعت میں مچھلی کے ذبح کا کوئی حکم نہیں ملتا۔ اسی طرح ٹڈی کے بارے میں بھی احادیث میں وضاحت ملتی ہے۔ یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن میں بیان کردہ مردار کے حرام ہونے اور حدیث میں مذکور مردہ مچھلی حلال ہونے کے دو مختلف احکام ہیں، ان میں تضاد یا تطبیق کی بات کرنا فریب کا رانہ انداز ہے۔ حدیث تو قرآن مجید کے احکامات کی تشریح و توضیح کرتی ہے نہ کہ اس کا انکار۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ احادیث قرآن کے احکامات کے انکار میں کوئی عقیدہ دے سکتی ہیں اور وہ استثنائی معاملہ ہے، من گھڑت اور محض اپنے باطل عقیدے کا دفاع ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اپنے امام کے دیے ہوئے عقائد کا دفاع کرنا ہے، تو وہ لوگوں کو ایسی ہی من گھڑت باتوں اور بے سرو پا شیشوں کے ذریعے اور غلطی کی کوشش کرتے ہیں۔

کیا عذاب قبر کے لیے روح کا لوٹنا یا جانا استثنائی مسئلہ ہے؟

تمام معاملات کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک قانون و کلیہ مقرر فرمایا ہے جو سب انسانوں کے لیے یکساں ہے، لیکن کچھ ایسے معاملات ہوتے ہیں جن کو استثنائی کہا جاتا ہے، مثلاً دنیا میں پیدا ہونے والے ہر بچہ کا باپ ہوتا ہے لیکن عیسیٰ (علیہ السلام) بغیر باپ کے پیدا ہوئے، قرآن نے ایک طرف قانون عام بیان کیا تو دوسری طرف عیسیٰ (علیہ السلام) کے استثناء کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ قرآن کے بیان کیے ہوئے قانون دیکھتے ہیں کہ صرف وہی بات استثنائی مانی جاسکتی ہے جس کا ذکر قرآن و احادیث صحیحہ میں موجود ہو، یہ نہیں کہ اب جو چاہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیے گئے اس قانون کے خلاف ایک عقیدہ گھڑ لے اور پھر اس کو استثناء کا نام دے ڈالے۔ یہ لفظ استثناء کا بڑا غلط استعمال ہے۔ یہی طریقہ ان فرقہ پرستوں نے اختیار کیا ہے کہ اپنے اکابرین کی بیرونی قبر میں روح لوٹائے جانے کا عقیدہ اپنایا اور اب اس بے بنیاد عقیدے کو ایک استثنائی مسئلہ کہہ کر جان چھڑائی جاتی ہے! یہ ان لوگوں کا ایک منطقی حیلہ ہے جو انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اختیار کیا ہے اور حق کو چھپانے کے لیے ”استثناء“ کو بطور نقاب استعمال کیا ہے۔

ڈاکٹر عثمانیؒ نے اس بات کو واضح کیا کہ ”اعادہ روح“ کو ثابت کرنے کے لیے پیش کی جانے والی یہ روایات موضوع و من گھڑت ہیں لیکن اہلحدیثوں کی طرف سے اس کی شدید مخالفت کی گئی اور انہیں صحیح ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا گیا اور ایسا کرتے ہوئے حقیقت پر جتنی تمام تر دلائل تو یہ جھٹلاتے چلے گئے مگر اپنے اپنے اکابرین اور اپنے ہی فرقے والوں کی غلط بات کو جھٹلاتا ان کے بس کی بات نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

”قبر میں روح کا جسم میں لوٹایا جاتا یا اس کا تعلق جسم سے قائم کر دیتا صحیح احادیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ ویسے بھی روح جسم میں موجود ہو پھر بھی وہ مردہ کہلائے، یہ لوگوں کی عقل کے مردہ ہونے کا ثبوت ہے اس مردہ عقل پر جس قدر ماقم کریں کم ہے۔“ (چیلانہ، صفحہ ۴۸)

”.....لہذا مرنے کے بعد قیامت تک روح واپس اس جسم میں نہیں ڈالی جاتی اور نہ ہی تعلق قائم کیا جاتا ہے اور جو لوگ اعادہ روح کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ سوائے چند ضعیف یا موضوع روایات کے۔“ (ایضاً: صفحہ ۷۱)

المحدثوں نے تو سارا زور اسی بات پر لگایا ہوا تھا کہ ہمارے فرقے



کے باقی وہابی میاں نے برصغیر سارے فرقہ والوں کا یہ عقیدہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لیکن اب تو خود انہی کے ایک ائمہ نے اعتراف کر لیا ہے کہ اعادہ روح کا عقیدہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور انہی کے "شیخ الحدیث" رئیس "عبد الرحمن شامی" نے اس کتاب کا مقدمہ لکھ کر ان باتوں کی تصدیق بھی فرمادی۔ چنانچہ اب یہ کہہ بغیر چارہ نہیں رہا کہ

روح دل کے چھپو لے بل اٹھے سینے کے داغ سے  
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ان لوگوں کو چاہیے کہ ان دونوں افراد کو فوراً اپنے فرقے سے نکال دیں اس لیے کہ انہوں نے تو اس ساری کدو کاوش کا پل ہی کھول کر رکھ دیا ہے جو آج تک ائمہ نے لوگ اپنے اس باطل عقیدے کو "احادیث صحیحہ" سے ثابت کرنے کے لیے کرتے رہے ہیں۔ اس کے برعکس اسی قبوری قبیل کا ایک اور گروہ اعادہ روح کے بارے میں لوگوں کو اس طرح گمراہ کرتا ہے:

"جو خالق کائنات سورہ حدیث میں فرماتا ہے کہ لوہا آسمان سے نازل کیا گیا ہے اور پھر اسے زمین کی تہ سے نکلوا دے تو اس کے لیے کیا بعید ہے کہ وہ قبر میں روح لوہا کر مرے کو زندہ کر دے۔"

(ارضی قبر یا فرضی قبر، از جماعت المسلمین)

گویا اس بات کا تو انہوں نے بھی اعتراف کر لیا کہ قرآن و حدیث مرنے کے بعد قبر میں روح لوہا سے جانے کا کوئی عقیدہ فراہم نہیں کرتے اس لیے بات اب انہوں نے اللہ کی قدرت کی شرمندگی کر دی۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ یہاں بات اللہ کے لیے "بعید" اور "قرب" کی نہیں ہو رہی، بلکہ بات ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضع کردہ اصول و قوانین کی جس کے لیے قرآن و حدیث کی حکم و واضح دلیل سے کام چلے گا، منطق یا اللہ کے لیے "ممکن" اور "ناممکن" سے نہیں۔ ایمان تو اس چیز پر لانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، یہ نہیں کہ محض اکابرین کے اقوال پر اپنا عقیدہ بنالیا پھر جب وہ کتاب اللہ سے ثابت نہ ہو سکے تو کہہ دیا جائے کہ لَنْ اَلْقَهُ سَكُنَ كُلُّ شَيْءٍ وَفَكَيْدٌ! یاد رہے کہ جمعیۃ جماعت والے اور دیگر مسلک بہت اپنے بزرگوں کی کرامات (جن سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں) کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہی انداز اختیار کرتے ہیں۔ اگر ایمان کی یہی بنیاد ہے تو پھر قادیانیوں کو کیوں کافر کہا جاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی بنا دے؟ لیکن قادیانی کافر ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ محمد ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے والا۔ اب جو کوئی نبوت کا دعویٰ کرے وہ بھی کافر اور جو اس کو نبی مانے وہ بھی کافر۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے

"بعید" اور "قرب" سے استدلال نہیں ہوگا۔ روح کے لیے مالک کائنات کا فیصلہ واضح ہے کہ موت کے بعد یہ قیامت سے قبل نہیں لوٹائی جائے گی۔ اب جو یہ عقیدہ رکھے کہ روح اس قبر میں اونٹادی جاتی ہے۔ تو وہ کون ہوگا؟ خود ہی فیصلہ کر لیں۔

### روح کے بارے میں نئی تحقیق

روح کے بارے میں ائمہ شیخوں نے ایک اور عقیدے کو "جہنم" دیا ہے،

ملاحظہ ہو:

"روح کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک روح حیوانی جس کا تعلق گردش خون سے ہوتا ہے جب تک گردش خون برقرار رہتا ہے یہ روح بھی موجود ہوگی۔ گردش رک جائے تو روح ختم ہو جاتی ہے یا کھل جاتی ہے۔"

دوسری قسم کی روح انسانی ہوتی ہے جسے روح انسانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ روح کی یہ قسم وہ ہے جو دوران خواب سیر کرتی ہے۔ روح کی یہ قسم یا روح کا حصہ جب انسان کے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو انسان کے دوسرے جسم کی کارکردگی میں نمایاں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ان روہانیات سے کوئی ایک مری جائے تو دوسری خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔"

(روح و اب قبر اور روح موتی، صفحہ ۱۵۱، از عبد الرحمن کیلانی)

اسی مقام پر انہوں نے سورہ زمر کی آیت نمبر ۳۲ سے دو روہوں کو ثابت کرنے کی دیکھی ہی کوشش کی ہے جیسا ان کے دوسرے مفتی (خان کی جان و اما نوری) نے اس آیت سے اعادہ روح ثابت کرنے کے لیے کی تھی، اس لیے ان لوگوں کے اس طرز عمل پر بار بار بحث کرنا فضول ہے کیونکہ ان کا تو طریقہ کار ہی یہ ہے کہ قرآن کی آیت سے زبردستی اس بات کو ثابت کیا جائے جس کا اس میں کوئی تصور بھی نہ ملتا ہو۔ روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (اسی سورہ زمر)

"کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور (اس بارے میں) تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے۔"

اب کوئی ان سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ نے تو دو روہوں کا کوئی علم نہیں دیا بلکہ صراحت کر دی کہ روح کے بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے، تو روح کے بارے میں یہ اضافی علم ان کو کہاں سے حاصل ہوا؟

وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَدَرٌ مِمَّا قَدَرْنَا لَلَّذِينَ ظَلَمُوا (النساء: ۳۸)

"اور جس کا ساتھی شیطان ہو تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔"



جب ان کی طرف سے بے پرکی ہانگی ہوئی باتوں پر پکڑ کی گئی تو فرماتے ہیں:  
 ”یہ اور اس قبیل کے دوسرے اعتراضات میں عام غلطی جو ہوتی ہے وہ یہ ہے  
 کہ بات تو کرتے ہیں روح اور عالم برزخ کی، اور اسے پرکھنا چاہتے ہیں  
 انسانی عقل اور محسوسات سے، حالانکہ یہ بات اصولاً غلط ہے۔ کیونکہ ارشاد  
 باری تعالیٰ ہے کہ روح کے متعلق انسان کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ تو پھر  
 اس تھوڑے سے علم کی بنیاد پر ایک نظریہ قائم کرنا، پھر اس نظریہ کو عقیدہ کا  
 رنگ بھر دینا پھر اس میں اتنا تشدد اور حصبہ ہو جانا کہ جو شخص اس نظریہ کے  
 خلاف بات کرے اسے کافر و مشرک کے القاب دے ڈالنا، آخر یہ کہاں کی  
 دانشمندی ہے؟“ (روح، مذاہب قبر اور سماج موتی، صفحہ ۹۹، ۱۰۰)

عالمِ اُسی کو کہتے ہیں الٹا چور کو تو ال کو ڈالنے۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے تھوڑے  
 سے علم کے مقابلے میں دو روحوں کا عقیدہ رکھنا اور روح کے قبر میں لوٹائے جانے  
 کا عقیدہ رکھنا اہلحدیثوں کا ہی دتیرہ ہے، مومن تو صرف اس بات پر ایمان رکھتے  
 ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بیان کی گئی ہو۔ پہلے خود ہی ایک  
 عقیدہ گھڑا اور پھیلایا اور جب کتاب اللہ سے اس کا ثبوت مانگا گیا تو کہتے ہیں یہ  
 روح اور عالم برزخ کی بات ہے، انسانی عقل پر اسے نہیں پرکھا جاسکتا، کیونکہ  
 اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بہت کم علم دیا ہے..... لیکن سوال یہ پیدا ہوتا  
 ہے کہ اہلحدیثوں کی عقل میں یہ سب کیسے آگیا؟ ان کا استاد کون ہے جس نے ان  
 کو دوسرا علم دے ڈالا جو ہڈی ڈنڈا لیں یعنی قرآن کریم میں بھی نہیں ہے؟ پھر  
 یہی دور روح کا باطل فلسفہ آگے بڑھتا ہے اور فرمایا جاتا ہے:

”خواب میں اس روح انسانی کی شکل و صورت بالکل ویسی ہوتی ہے جیسے  
 بستر پر پڑے ہوئے (سوئے ہوئے) اس کے قالب کی ہوتی ہے۔ اور  
 خواب میں جب رو جس آپس میں ملتی ہیں تو اس شکل و صورت کی ہم آہنگی کے  
 واسطے سے ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ ان ہی  
 روحوں کی آپس میں ملاقات ہو جو اس دنیا میں زندہ کہلاتے ہیں۔ یہ ملاقات  
 ان لوگوں سے بھی ہو سکتی ہے جو اس جہاں سے رحلت کر چکے یا چکے  
 ہیں۔..... خواب میں روح راحت و اطمینان یعنی ثواب و عذاب سے دوچار  
 ہوتی ہے..... ان ہر دو اقسام کی روحوں کے بارے میں یہ بات بھی  
 ملحوظ رکھنی چاہیے کہ ایک قسم کی روح کے خاتمہ سے دوسری قسم کی روح از خود  
 ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص سو یا ہو کوئی خواب دیکھ  
 رہا ہے کہ کسی دوسرے شخص نے اسے سوتے میں قتل کر دیا تو روح انسانی خواہ  
 کہیں بھی سیر کرتی ہوگی۔ اب یہ دوبارہ اس جسم میں داخل نہیں ہوگی بلکہ اللہ

تعالیٰ اسے وہیں قبض کر لے گا۔ اس کے برعکس صورت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ  
 کسی انسان کی روح انسانی کو خواب میں قبض کر لیں تو بستر پر سونے والا آدمی  
 بغیر کسی حادثہ یا بیماری کے مر جائے گا۔“ (ایضاً، صفحہ ۳۳، ۳۴)

ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق علماء  
 دین کی نہیں بلکہ معروف عقلی عملیات کے نام نہاد پروفسر صاحبان کی تحریروں  
 ہیں۔ ان کی ان باتوں کا کیا جواب دیا جائے۔ اگر ان قیاسی گھوڑے دوڑانے  
 والوں کی بے شکے پن سے ہانگی ہوئی ایک ایک بات کا جواب دیا جائے تو پھر  
 کتب کا ایک انبار لگ جائے گا۔ اب تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہے کہ  
 تمہیں یہ دو روحوں کا عقیدہ، زندہ کی روحوں کا مُردوں کی روحوں سے ملنے کا  
 عقیدہ، ایک روح کے خاتمے سے دوسری روح کے از خود ختم ہو جانے کا عقیدہ،  
 کہاں سے ملا؟ یہ خود سوچ لیں کیا جواب دیں گے اپنے مالک کو؟

تقریباً یہی عقیدہ دیوبندی عالم قاری طیب نے اپنی کتاب ”عالم برزخ“  
 کے صفحہ ۲۶ پر پیش کیا ہے۔ ایک اور اہلحدیث قاری خلیل الرحمن نے اپنی کتاب  
 ”پہلا زینہ“ کے صفحہ ۵۰، ۴۹ پر کسی حاجی عبدالستار مبین کا واقعہ بیان کر کے اس  
 بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قَبْرِیْکَ الَّذِیْ هُنَّی عَزَّوَجَلَّ الْمَوْتِ کا  
 مطلب یہ ہے کہ روح سوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جاتی ہے اور اگر اس  
 کی موت کا فیصلہ ہو جائے تو وہ روح پھر وہاں روک لی جاتی ہے۔ آئیے اس  
 بارے میں قرآن وحدیث سے رجوع کریں۔

### نیند اور موت میں قبض روح

قرآن وحدیث میں مرنے والے کی روح قبض ہونے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:  
 ..... اللہ تعالیٰ انسانوں کی موت کے وقت روح قبض کرنے کے لیے فرشتے  
 بھیجتا ہے، وہ اس کی روح قبض کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں۔

(الانعام: ۶۲، ۶۱)

..... فرشتے انسان کے جسم میں تیرتے ہوئے، ڈوب کر آگے بڑھ کر اس کی  
 روح کھینچ لیتے ہیں۔

(تازعات: ۱-۴)

..... ظالم لوگوں کی روح نکالتے ہوئے فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے  
 ہوتے ہیں نکالو اپنی روحوں کو۔ مرنے والے کی روح یہ جسم و دنیا سب کچھ  
 چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جاتی ہے۔

(الانعام: ۹۳، ۹۴)

..... جاں کنی کے وقت جان گلے تک کھینچ جاتی ہے، پنڈلی سے چڑ لی مل جاتی  
 ہے، جان لیا جاتا ہے کہ اب جدائی کا وقت ہے اپنے رب کے پاس جانے کا



وقت ہے۔

(القیامہ: ۳۶-۳۷)

جب روح گھر میں آتی ہے انسان اس حالت کو دیکھ رہے ہوتے ہیں  
لیکن بے بس ہوتے ہیں۔  
(الواقفہ: ۸۳-۸۷)

نبی ﷺ نے فرمایا:

جب روح نکلتی ہے تو بصارت اس کے پیچھے نکل جاتی ہے۔ (مسلم کتاب البر)۔  
مومن مرتا ہے پیشانی کے پسینے سے۔ (نسائی کتاب البر باب ملامت مومن)  
جب بینائی مٹ جائے اور چھاتی میں دم آ جائے اور بدن کے روئیں  
کھڑے ہو جائیں (یہ اللہ سے ملنے کا وقت ہے) (نسائی کتاب البر باب فی کتاب)

قرآن وحدیث کے ان دلائل سے ثابت ہوا کہ:

- ☆ مرتے وقت روح قبض کرنے کے لیے فرشتے بھیجے جاتے ہیں۔
- ☆ فرشتے انسانوں کے جسم سے مختلف انداز میں روح نکالتے ہیں۔
- ☆ فرشتے روح نکال کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں۔
- ☆ موت کے وقت روح گھر تک آتی ہے۔
- ☆ روح کے جسم سے اخراج پر پنڈلی سے پنڈلی مل جاتی ہے۔
- ☆ جسم سے روح نکلتے ہی بصارت بھی جسم سے نکل جاتی ہے۔
- ☆ روح سارے جسم سے نکلتی ہوئی چھاتی میں آتی ہے،
- ☆ رواں رواں کھڑا ہو جاتا ہے، پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے۔

حالات سکرات میں واقع ہونے والے اس قسم کے معاملات عام مشاہدہ میں  
بھی آتے ہیں۔

### حالت نیند میں روح کا قبض ہونا

اللہ تعالیٰ رات کو سوتے ہوئے انسانوں کی رو میں قبض کر لیتا ہے اور پھر  
ان کو دوبارہ اٹھا دیتا ہے تاکہ طے شدہ وقت پورا ہو سکے۔ (الانعام: ۶۰)  
اللہ تعالیٰ زندہ انسانوں کی رو میں ان کے سونے کے وقت قبض کر لیتا ہے  
اور پھر ان کو واپس چھوڑ دیتا ہے۔ (الزمر: ۴۲)

نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے زندہ انسانوں کی روح قبض  
کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے انہیں لوٹا دیتا ہے۔ (بخاری کتاب المسلاہ باب الاذان)

قرآن وحدیث سے نیند میں روح قبض کیے جانے کے لیے نہ تو کسی فرشتے کو بھیجے  
جانے کا ذکر ملتا ہے اور نہ ہی جسم سے روح کے اخراج اور اسے اللہ تعالیٰ کے  
پاس لے جانے کا کوئی عقیدہ ملتا ہے۔ موت کے وقت جب روح اس جسم سے  
نکال لی جاتی ہے تو یہ جسم مردہ لاش بن جاتا ہے، بصارت فوراً ہی جسم سے نکل  
جاتی اور دیگر تمام حواس بھی قیامت تک کے لیے ختم ہو جاتے ہیں، اس کے

برخلاف سوتے ہوئے شخص کا جسم مردہ نہیں ہوتا سانس چل رہی ہوتی ہے،  
نبضیں بھی رواں رہتی ہیں، دوران خون جاری رہتا ہے، کھانا ہضم ہوتا رہتا ہے،  
پسینے کے ذریعے نظام اخراج بھی کام کرتا رہتا ہے، موسم کی گرمی وسردی کا احساس  
بھی ہوتا ہے، کچھ حواس معطل، کچھ نیم معطل اور کچھ پوری طرح کام کر رہے ہوتے ہیں۔  
اسی حوالہ سے نیند کو موت سے مشابہت دی جاتی ہے۔ اب جس روح کے جسم سے  
نکلنے کا کوئی عقیدہ قرآن وحدیث سے ثابت ہی نہیں اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ یہ  
روح اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتی جاتی ہے تو اس روح کا واپس جسم میں لوٹنا یا جانا  
کیسا؟ یہ محض خود فریبی ہے۔

موت کے وقت جسم سے روح کے اخراج کی وجہ سے تمام حواس  
قیامت تک کے لیے ختم ہو جاتے ہیں لیکن حالت نیند میں ایسا نہیں ہوتا اس سے  
قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ تو فطری یعنی ”روح کا قبضے میں لے لینا“ جسم کے اندر ہی  
ہوتا ہے جس کی وجہ سے کچھ حواس معطل، کچھ نیم معطل اور کچھ حسب معمول کام  
کر رہے ہوتے ہیں۔ نیز کتاب وسنت سے اس روح کے جسم سے اخراج کا کوئی  
ثبوت نہ ملنا اس موقف کو مزید تقویت دیتا ہے۔

سورہ زمر کی آیت میں ”یُؤْتِیْهِمْ لَیْلًا کَامُطْلَبٍ یَّهْ لُؤْک“ واپس بھیج دیتا ہے“  
کرتے ہیں حالانکہ عربی کے اس لفظ کے معنی بھیجنے یا چھوڑ دینے کے ہیں، اور  
قرآن کریم کے دیے ہوئے عقیدے کے مطابق یہاں اس کے یہی معنی ہوتے  
ہیں؛ لہٰذا لے لے کر ”ربیع اور غود کے الفاظ ہیں۔ خود عبدالرحمن کیلانی  
ابجدیث نے اپنی کتاب ”روح، عذاب قبر اور سماع موتی“ کے صفحہ ۱۱۵ اور قاری  
خلیل الرحمن ابجدیث نے اپنی کتاب ”پہلا زینہ“ میں اور فتح محمد جالندھری  
دیوبندی نے قرآن مجید کے ترجمہ میں اس کا ترجمہ ”چھوڑنا“ ہی کیا ہے۔ قرآن  
میں دوسری جگہ بھی اس لفظ کے یہی معنی کیے گئے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

اَلَمْ یَرْکُبُوا لَیْلًا اَسْلَمًا الشَّیْطٰنُ (مومنین: ۸۳)

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیاطین“

(ترجمہ: محمود الحسن دیوبندی)

”کیا تم نے نہیں دیکھا ہم نے شیطان کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے“

(ترجمہ: فتح محمد جالندھری)

یُؤْتِیْهِمْ لَیْلًا اَسْلَمًا مِّنْ اٰیٰةٍ وَنُفٰسٍ فَلَکَ تَنْجِیْنٰ (الرحمن: ۳۵)

”چھوڑا جائے گا تم پر شعلہ آگ کا اور دھواں پھر تم اس کا مقابلہ نہ کر سکو گے“

(ترجمہ: محمود الحسن دیوبندی)



”تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا تو تم مقابلہ نہ کر سکو گے“

(ترجمہ: فتح محمد چاندھری)

بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے غار حرا میں پیش آنے والا واقعہ بیان فرمایا:

فَاخْلَدَنِي فَعَطَسَنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي

”اس (جبریل علیہ السلام) نے مجھے بھیچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی

پھر مجھے چھوڑ دیا“ (ترجمہ: احیاء ایمان الحمد للہ، بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورہ اطلاق)

گویا سوتے ہوئے روح کا قبض ہونا جسم کے اندر ہی ہوتا ہے اور جب چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ حالت خیمہ میں جب روح قبض کی جاتی ہے تو اسے موت سے تشبیہ تو ضرور دی گئی ہے لیکن مویا ہوا یہ انسان زندہ ہی کہلاتا ہے، مردہ یا مراد نہیں ہوتا اور جب روح لوٹا دی جاتی ہے یعنی جب اس کا قبض ہونا ختم ہو جاتا ہے تو اس کے تمام حواس صواب سابق کام کرنے لگتے ہیں۔

اوپر بیان کردہ عقیدہ جو الحمد للہ میں نے اپنایا ہے اس کی وجہ یہ ہے:

”نیز جس طرح خواب میں روح راحت و الم سے دوچار ہوتی ہے۔ اور کبھی

کبھی اس کے اثرات بدن پر بھی نمودار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس عرصہ

موت میں روح کو عذاب و ثواب ہوتا ہی ہے، تاہم اس ملاقات کے دوران

اس کے اثرات جسم یا اس کے ذرات پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ یہی عذاب و

ثواب کی حقیقت ہے۔“ (روح، عذاب قبر اور سامع موتی، صفحہ ۳۶)

”عالم برزخ کا تھوڑا بہت تصور، جتنا کہ اس عالم دنیا میں ممکن ہے، خواب اور

اس کے کوائف و واردات میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ خیمہ

بھی زندگی اور موت کے درمیان برزخ ہے اور اسی لئے خیمہ کو موت سے تعبیر

کیا گیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ خیمہ میں چونکہ زندگی کے آثار غالب ہوتے

ہیں اس لئے قرآن نے اس دور کو زندگی سے تعبیر کیا ہے اور برزخ میں

چونکہ موت کے اثرات غالب ہوتے ہیں اس لئے قرآن نے اسے موت

سے تعبیر کیا ہے۔ اگرچہ اس میں بھی زندگی کے کچھ نہ کچھ آثار پائے جاتے

ہیں اور اسی لئے اس موت کے دور کو برزخی زندگی بھی کہہ دیا جاتا ہے۔“

(ایضاً صفحہ ۹۹)

قرآن و حدیث کے خلاف بنایا گیا، یہ ہے وہ عقیدہ جس کے لیے یہ ساری جنگ

لڑی جاتی ہے۔ اسی عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے کبھی دھوکوں کا عقیدہ دیا

جاتا ہے اور کبھی ”خیمہ“ کو زندگی اور موت کے درمیان ”برزخ“ بنا دیا جاتا

ہے۔ اگر ان کی ان قیاس آرائیوں اور مفروضہ باتوں پر یقین کر بھی لیا جائے

تب بھی عذاب قبر کے بارے میں ان کا دیا ہوا یہ عقیدہ محض باطل ہی قرار پائے

گا۔ اس لیے کہ انسان ابھی زندہ ہے، اس کے تمام حواس کام کر رہے ہیں، دل

دھڑک رہا اور سانس چل رہی ہے، دماغ بھی موجود ہے اور شعور بھی رکھتا ہے۔

اس لیے خواب دیکھنا اور اس کے اثرات قلب و ذہن پر مرتب ہونا کوئی عجیب

بات نہیں، لیکن جب مرنے کے بعد انسان کا یہ جسم بے جان و بے شعور ہو جاتا

اور سرنے لگتے لگتا ہے اور آخر کار مٹی میں مل کر مٹی بن جاتا ہے، تب یہ سوچنے اور

سمجھنے والا دماغ ہی نہیں رہتا اور نہ ہی احساس کرنے والا یہ جسم۔ اب روح کا

تعلق قائم کس سے ہوگا؟ کون خواب دیکھے گا؟ کون اس کا ادراک کرے

گا؟ ثابت ہوا کہ یہ سب محض کاغذی فلسفہ ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت

نہیں۔ وَمِنْهُمْ أَجْتُنُونَ لَا يَخْلُكُونَ الْكُتُبَ إِلَّا كَمَا يَنْزِلُ مِنْهَا هُمْ لَا يَخْلُكُونَ

### کتاب اللہ اور الہامی حدیث

الحمد للہ دوسرے فرقوں کے لوگوں پر قرآن کی آیات کے حوالے سے

بڑے فتوے لگاتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن کا انکار کرتے ہوئے ان مردوں کو زندہ

سمجھتے اور ان سے دعائیں کرتے ہیں حالانکہ یہ زندہ نہیں مردہ ہیں۔ لیکن کیا

کریں کہ اپنے فرقہ کے عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے یہ کہنے پر مجبور ہیں:

”اگرچہ اس میں بھی زندگی کے کچھ آثار پائے جاتے ہیں اور اسی لئے اس

موت کے دور کو برزخی زندگی بھی کہہ دیا جاتا ہے۔“

دیکھا آپ نے! رب کائنات فرماتا ہے

أَمْ أَتَانَا عَذَابٌ كَرِيمٌ (النحل: ۲۱)

”مردہ ہیں زندگی کی رمتی نہیں“

الحمد للہ کہتے ہیں:

”اس میں بھی زندگی کے کچھ آثار پائے جاتے ہیں“

ایک طرف کتاب اللہ ہے تو دوسری طرف ان علماء کی کتابیں! کسے مانا جائے؟

مع فیصلہ تیرا تیرے ہاتھ میں ہے

### دو موتیں دو زندگیاں

قرآن مجید ہر انسان کے لیے دو موتیں اور دو زندگیاں کا عقیدہ فراہم

کرتا ہے۔ جسم میں روح کا آنا، یعنی جسم اور روح کا اتصال ”زندگی“ کہلاتا







فَكَفَّكَ لَأَن تَكُونَ مِنَ الْمُنْكَرِينَ ﴿٢٤﴾ وَكَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مَا أَنْتَ بِتَعْلَمُ

”پھر کیا ہوگا جب فرشتے ان کی رو میں قبض کریں گے ان کے منہ اور قیاموں پر مارتے ہوئے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کی روحوں کو مارتے ہوئے لے جائیں گے بلکہ مارتے کا بیان صرف روح کے قبض کرنے کے وقت کا ہے۔ اس کے بعد کا نہیں۔ مودودی صاحب نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے وہ محض ان کے اپنے خود ساختہ عقیدے کی ترجمانی ہے۔ روح کی مادیت کا عقیدہ کتاب اللہ سے ہرگز نہیں ملتا۔ اسی طرح اشاعت التوحید والوں نے جو جانوروں کی مثال گھڑی ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اس بات کی وضاحت بھی یہاں کر دینا چاہئے کہ دیگر مسلک پرست بھی یہی کہتے ہیں کہ فرشتے روح قبض کرنے کے بعد اس مردہ جسم کے منہ اور پیٹ پر مارتے ہیں، اور اس سے وہ اسی جسم پر عذاب کا عقیدہ فراہم کرتے ہیں لیکن یہ بھی قرآن کی معنوی تخریف ہے ورنہ فرشتوں کا مارنا صرف قبض روح کی حد تک ہے۔ روح زندہ کی قبض کی جاتی ہے مردہ کی نہیں۔ عذاب تو صرف مردوں کے لیے ہے، زندہ انسانوں کے لیے نہیں۔

مودودی صاحب مزید فرماتے ہیں:

”بلکہ اس زمانہ میں جسم کے بغیر روح زندہ رہتی ہے، کلام کرتی اور کام لیتی ہے، جذبات و احساسات رکھتی ہے، خوشی اور غم محسوس کرتی ہے، اور اہل دنیا کے ساتھ بھی اس کی دلچسپیاں باقی رہتی ہیں۔“

(تفسیر القرآن، جلد چہارم، صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶)

ان کا یہ عقیدہ محض ظن و گمان کی بنیاد پر ہے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا سے چلی جانے والی اس روح کو ایک نابزرغی جسم عطا کیا جاتا ہے جیسا کہ مذکور ماقبل احادیث سے ثابت ہے کہ غزوہ احد کے شہداء کی رو میں ہزاروں والے جسموں میں ہیں۔ اسی طرح جعفر رضی اللہ عنہ کو ایسا جسم عطا فرمایا گیا کہ وہ فرشتوں کیساتھ اڑتے ہیں، نبی ﷺ کے فرزند کو وفات کے بعد جنت میں دودھ پینے والا جسم عطا کیا گیا۔ اسی طرح عمرو بن لُحی کو جہنم میں ایسا جسم دیا گیا کہ جسے غذا دیا جا رہا تھا اور وہ اپنی آنتیں کھینچ رہا تھا؛ یہودی عورت کو بھی جہنم میں جسم دیا گیا اور جلی سے نوح نوح کر کھا رہی تھی؛ دنیا میں جھوٹ بولنے والے کو ایسا بزرغی جسم دیا گیا کہ اس کے گال پھاڑے جا رہے تھے؛ زنا کاروں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے جسموں کو جلا یا جا رہا تھا، وغیرہ۔

”روح“ کے موضوع کی ابتداء میں ہم نے مودودی صاحب کی

ایک کتاب کا اقتباس پیش کیا تھا کہ

”دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ زور زور سے اُن ولی اللہ کو پکار کر یہ کہیں۔ اس صورت میں اعتقاد کی خرابی تو لازم نہ آئے گی مگر یہ اندھیرے میں تیر چلانا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ پکار رہے ہوں اور وہ نہ سن رہے ہوں۔ کیونکہ سماع موقی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا سماع تو ممکن ہو، مگر ان کی روح اس وقت وہاں تشریف نہ رکھتی ہو، اور آپ خواہ کچھ ادا خالی مکان پر آوازیں دے رہے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روح تشریف فرما تو ہو مگر وہ اپنے رب کی طرف مشغول ہوں۔“

(رسائل ومسائل، حصہ سوم، صفحہ ۳۶۵)

امت میں پھیلا یا گیا یہی وہ عقیدہ ہے جس کی بنیاد پر آج یہ محارقات آباد ہیں اور عرس و میلوں کی شکل میں اللہ کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کے جھنڈے بلند کیے جا رہے ہیں اور اللہ کے غیظ و غضب کو بھڑکایا جا رہا ہے۔ ان کے نزدیک قبر میں روح لوٹا دی گئی، مردہ زندہ بن گیا، اب یہ سن بھی سکتا ہے، گھومنے پھرنے کے لیے قبر سے باہر بھی جاسکتا ہے، دنیا والوں کے ساتھ اس کی دلچسپیاں بھی ہیں اور اللہ کی عبادت بھی کر رہا ہے۔ تو اب کوئی کسر رہ گئی ہے کہ اس کو زندہ نہ کہا جائے! پہلے یہ ماتحت الاسباب سارے کام کرتا تھا، اب یہ مافوق الاسباب امور پر قادر ہو گیا اور یہ ”زڑیں نظریات“ مسلک پرستوں کی کتابوں اور صوفیوں کے مفلوحتات کے لیے بنیاد فراہم کر گئے! کسی زندہ کو قبر میں دبا دو، وہ قبر سے نہیں نکل سکتا، لیکن مرنے کے بعد، یہ مردے چاہیں تو قبر میں عبادت کرتے رہیں یا چاہیں تو کہیں گھومنے پھرنے چلے جائیں! پھر کیوں نہ ایسے مردے کو جنت روا اور مشکل کشا گردانا جائے جو اب ان سب صفات کا حامل ہو گیا اور نیکیوں اس عقیدے پر ان مسلک پرستوں میں کیسا اتفاق ہے اور یہی عقیدہ قبر پرستی کے شرک کی بنیاد ہے۔ آج جو یہ امت ان قبروں پر ہنگامی پڑی ہے تو اس کی بنیاد یہ روح لوٹا جانے کا عقیدہ ہی تو ہے جس نے اس مردے کو زندہ کر دیا۔ ورنہ کون آنے گا ان گل سڑ جانے والوں کی ہڈیوں پر جو کتاب اللہ کے مطابق نہ سن سکتے ہوں، نہ دیکھ سکتے ہوں، نہ شعور رکھتے ہوں اور نہ کوئی احساس؟ اس لیے کہ شعور و احساس تو زندہ رکھتا ہے۔ روح کے اس جسم سے نکل جانے کے بعد یہ جسم قیامت تک کے لیے بے حس ہو جاتا ہے شعور و ادراک سے عاری ہوتا ہے، مٹی ہو کر مٹی ہی میں رہتا ہے۔

ایک طرف یہ عقیدہ ہے تو دوسری طرف ایک بار پھر الجھنوں کی

عقیدہ ساز فیکٹریاں ایک نیا عقیدہ دیتی ہیں:

”اس کے بجائے ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ روح کو کوئی نیا جسم نہیں ملتا۔ بلکہ







# منارة البيضاء سے عیسیٰ خان کے مزار تک

محمد منیر، فتح جنگ

چونکہ یہ آخری فیصلہ قرب قیامت میں ہونا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی شمشیر سے ہونا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیشگی خبر دے دی کہ:

وَلَمَّا لَوْنَهُمْ لِسَانَهُمْ قُلُوبُهُمْ قَالَتْ أُنْكُرُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَقِّ كَمَا كَفَرُوا بِهِمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقِينَ (الزمر: ۲۸)

”اور بے شک وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہے اور تم اس بارے میں ہرگز شک نہ کرو۔ تم میری بات مانو (کہ) یہی سیدھی راہ ہے۔“

قارئین! قرب قیامت کے پُر فتن دور کے حوالے سے قرآن وحدیث کا یہی لب لباب ہے لیکن صدافسوس کہ امت کے نام نہاد بھی خواہ بعض پیشہ ور علماء قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات سے لوگوں کو برگشتہ کرنے میں مصروف ہیں۔ اپنی تحریر وتقریر میں یہ لوگ برملا کہتے ہیں: ”عیسیٰ علیہ السلام مرچکے، وہ واپس نہیں آئیں گے اُن کا انتظار چھوڑ دو، انتظار مسیح امت کے لیے زہر قاتل ہے، ہمیشہ قوموں نے کسی نجات دہندہ کے انتظار میں زندگیاں برباد کی ہیں“، وغیرہ۔ امت کے اندر ایک عرصہ سے ”وفات مسیح“ کی دعوت چل رہی ہے۔ اس دعوت اور تحریک سے امت کے اندر نہ تو کوئی انقلاب آیا اور نہ ہی دنیا میں اس کی قوت کار میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس دعوت سے ”احمدیت“ کو خوب تقویت ملی، کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اسی مرحومہ ”وفات عیسیٰ“ کی بنیاد پر ہی اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور اس دعوت کی بنیاد پر مرزا کو تمام سہاقد چھوٹے مدعیان نبوت سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہوئی۔ ”وفات ونزول عیسیٰ“ کے موضوع پر ہمارے پیش نظر قادیانیوں اور منکرین حدیث کی کچھ کتب ہیں۔ ان کتب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے قرآن وحدیث کی تعلیمات سے موازنہ کرنے پر انکی اصل حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی۔

مسلم اُمد میں فتنوں کا آغاز خلیفہ سوم عثمان بن عفان علیہ السلام کی شہادت سے ہوا، اور ان فتنوں کا خاتمہ دجال کی ہلاکت کے بعد ہی ہوگا۔ لیکن آج ہم چودہ صدیوں پر محیط اس مدت دراز پر نگاہ کرتے ہیں اور ان فتنوں کا شمار کرتے ہیں، جو گاہے گاہے اٹھتے رہے ہیں اور ابھی تک ان کی ہلاکت خیزیوں میں کوئی فرق نہیں آیا، تو ان میں انکار حدیث کا فتنہ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ امت کے اندر

محمد ﷺ کے آخری رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں آپ ﷺ کو خاتم النبیین کا خطاب دیا اور آپ ﷺ نے اپنے ارشاد لا تَبِیْ بَعْدِی کے ذریعے اپنے بعد کسی سے نبی کی آمد کے امکان کو یکسر مسترد فرما دیا، البتہ قیامت کے قریب کے زمانہ میں رونما ہونے والے بعض واقعات کی پیشینگوئی فرمائی مثلاً فتنہ دجال کا رونما ہونا، عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور لشکر اسام کی معیت میں دجال کو قتل کرنا، یہود نصاریٰ کا قلع قمع ہونا، یا جوج ماجوج کا خروج کرنا اور دنیا میں تباہی پھیلانا اور پھر اللہ کے حکم سے ان کا ہلاک ہونا وغیرہ وغیرہ۔

بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے جو بھی پیشینگوئی فرمائی ہے، وہ اپنے وقت پر بالکل اسی ترتیب سے پوری ہوگی جس طرح آپ ﷺ نے بتایا ہے۔ جس طرح قیامت کا آنا اٹل ہے اسی طرح قیامت سے پہلے ان ساری نشانیوں کا ظاہر ہونا بھی اٹل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جو وعدہ استخلاف فرمایا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے جس کی پیشینگوئی فرمائی ہے، وہ انشاء اللہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ اب اس کے پورا ہونے میں کتنی مدت آزمائش اور دور انتظار باقی ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ ایک حقیقت جس کا ہر صاحب ایمان معترف ہے، وہ یہ ہے کہ قیامت کے قریب مسیح دجال دنیا میں جو فتنہ برپا کرنے والا ہے اسے فرو کرنے کے لیے اور یہود نصاریٰ اور اہل ایمان میں جو آخری معرکہ ہونا ہے، اسے سر کرنے کے لیے کسی ایسے مرد مومن اور ایسے سالار اعظم کی ضرورت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام و اکرام ہو۔ کتاب اللہ کے حوالے سے ایسی شخصیت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ هُوَ الْأَعْبَدُ أُنْعَمْنَا عَلَيْكَ وَجَعَلْنَا مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَٰئِيلَ (الزمر: ۲۹)

”وہ تو محض ہمارا ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ایک مثال بنایا۔“

آخری فیصلے کے لیے بطور حاکم عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب فرمایا گیا ہے اور



ہمیشہ سے منکرین حدیث کا گروہ بہت ہی متحرک رہا ہے۔ اگرچہ ”منکرین حدیث“ نام کی کوئی منظم جماعت تو آج تک معرض وجود میں نہیں آئی لیکن اس گروہ نے مختلف ادوار میں مختلف فرقہ وارانہ ناموں سے اپنی شناخت ضرور کروائی ہے۔

پھلوار ضلع پٹنہ (صوبہ بہار، ہندوستان) کے ایک منکر حدیث اور نام نہاد محدث العصر علامہ تمنا عادی نے ”انتظار مہدی و مسیح“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ کتاب کا دیباچہ لکھنے والے صاحب کا کہنا ہے:

”علامہ عادی نے یہ مقالہ (انتظار مہدی و مسیح) علامہ ذاکر محمد اقبال کی فرمائش پر لکھا تھا جس وقت وہ (اقبال) فرقہ قادیانیت کی تحقیق میں مصروف تھے۔ گو یہ نظریہ (نزول عیسیٰ کا نظریہ) مسلمانوں کی غالب اکثریت میں عقیدہ کے طور پر مانا جاتا ہے، لیکن جملہ مسلمانوں کا اس پر اجماع نہیں۔ متعدد علمائے تحقیق نے اس پر جرحیں کی ہیں۔“

لیکن وائے حسرت کہ دیباچہ لکھنے والے صاحب کو ان ”متعدد علمائے تحقیق“ میں فقط ابن حزم، ابن تیمیہ، شیخ محمد حلتوت مصری، عبید اللہ سندھی اور ابوالکلام آزاد جیسے آزاد منش افراد کے نام ہی ملے! ان چار پانچ شخصیات کے لیے ”متعدد“ کا بھاری بھر کم لفظ استعمال کرنے کے بعد علامہ اقبال کا یہ شعر نقل کر دیا:

سہ مینا دل پر اپنے خدا کا نزول دیکھ۔۔۔ اب انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے اس کتاب کے چند نہایت ہی دلخراش قسم کے اقتباسات بھی ملاحظہ فرمائیے: کتاب کے صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں:

”مِثْلَهُ مَعَهُ والی حدیث گزر کر دین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک تو مصائب بالقرآن (جو قرآن سے ثابت ہے) دوسرے مصائب بالحدیث (جو حدیث سے ثابت ہے)۔ پھر ان دونوں کے استخراج سے دین کے دو بچے اور پیدا ہو گئے مصائب بالقیاس اور مصائب بالاجماع۔“

ہر صاحب ایمان بخوبی جانتا ہے کہ علامہ عادی کی اس ہرزہ سرائی میں رائی کے دانے جتنی بھی حقیقت نہیں کہ ”مِثْلَهُ مَعَهُ والی حدیث کے ذریعے دین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔“ اس میں انہوں نے صرف حدیث رسول ﷺ کے خلاف محض اپنے حبث باطن کا اظہار کیا ہے۔ ان کا یہ جملہ ”ان دونوں (یعنی قرآن و حدیث) کے استخراج سے دین کے دو بچے اور پیدا ہو گئے۔“ واقعی چونکا دینے والا ہے، اور بالیقین ہر پڑھنے والے کو ورطہ حیرت میں ڈالے گا کیونکہ اس میں علامہ عادی نے اپنے حبث باطن کے اظہار کے لیے نہایت ہی گھٹیا انداز اور ناشائستہ زبان استعمال کی ہے۔ ان کی کتاب کے کچھ اور اقتباسات ہم ذیل میں

پیش کر رہے ہیں تاکہ لوگوں کو اندازہ ہو جائے کہ احادیث کے بارے میں لوگوں کو گمراہ کرنے والوں کے دل میں حدیث رسول ﷺ اور اس کے پھیلائے والوں کے لیے کس قدر کینہ و بغض بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۵۲ پر لکھتے ہیں:

”حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد اس ناپاک سازش (بھول

سابق دعوت عباسیہ کی سازش) کی رفتار تیز کی گئی۔ اور دوسری طرف ابن شہاب زہری کے ذریعے جمع حدیث کا کام شروع کیا گیا۔ اور قال اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قال رسول اللہ ﷺ کی آواز ہر طرف بلند کی جانے لگی اور ان کے دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی اس میدان میں گھوڑے ڈال دیے۔“

ملاحظہ فرمائیے حدیث رسول ﷺ سے اتنی شدید نفرت کہ ہر وفد اس کا اظہار خیر مہذب طریقے سے ہی ہو رہا ہے۔ جمع حدیث کے کام پر تنقید کر کے فی الحقیقت جمع حدیث کے مبارک کام کو ایک ناپاک سازش کا شاخسانہ قرار دے دیا اور حدیث رسول ﷺ کے لیے عدا ”قال رسول“ کی طنزیہ اصطلاح استعمال کر کے حکم کھلا حدیث رسول ﷺ سے دشمنی کا ثبوت بھی فراہم کر دیا۔

حدیث رسول کی مخالفت میں علامہ عادی کے نظریات سے آگاہ ہونے کے بعد اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق خصوصاً ان صحابہ کرام کے متعلق جنہوں نے نبی ﷺ سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں حدیثیں روایت کی ہیں، علامہ صاحب کا توہین آمیز رویہ ملاحظہ فرمائیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صفحہ ۱۸۸ پر بہت ہی طنزیہ لہجے میں لکھتے ہیں:

”ابو ہریرہ غزوہ خیبر سے کچھ عرصہ پہلے ۶ھ میں شرف باسلام ہوئے تھے۔ اور صرف پانچ برس یا دو ایک ماہ رسول اللہ ﷺ کے فیض محبت سے مستفیض ہوئے۔ مگر جو لوگ تیس ۲۳ سال تک برابر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ان میں سب سے زیادہ حدیثیں انہی کو یاد تھیں۔“

اور اسی سلسلہ کلام میں صفحہ ۱۹۰ پر لکھتے ہیں:

”نزول مسیح کے متعلق حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی ایک حدیث ہے جو فقط صحیح مسلم میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح جابر بن عبداللہ سے ایک حدیث منسوب کی گئی ہے۔ وہ بھی صرف صحیح مسلم میں ہے۔ اور ابو سربہ حذیفہ بن اسیدؓ سے بھی بواسطہ ابوالطفیل کچھ حدیثیں ہیں جن میں صرف ایک حدیث ایک تھوٹے کے ساتھ ابوداؤد میں ہے اور باقی دو حدیثیں چھ تھوٹے حدیثات مسلم میں ہیں۔ اور نو اس بن سمانؓ سے بھی کچھ حدیثیں چھ تھوٹے حدیثات طرق ہیں۔“

گویا علامہ عادی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں صرف پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیثیں بیان کی ہیں اور راویوں کی یہ تعداد



بہت کم ہے۔ نبی ﷺ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے، اس مضمون کی احادیث روایت کرتے تب ان کو صحیح کہا جاسکتا تھا! صفحہ ۱۹ پر ان کی یادہ گوئی ملاحظہ ہو:

”طوالت کے ڈر سے میں نے درمیان کے بہت سے لطائف چھوڑ دیئے خصوصاً ابو ہریرہؓ اور عبد اللہ بن عمر بن العاصؓ کے متعلق۔“

صفحہ نمبر ۲۰ پر صحابہ کو خود ساختہ شخصیت بنادیتے ہیں:

”مسلم۔ ترمذی۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں کچھ حدیثیں تو اس بن سمانؓ نام کے ایک خود ساختہ صحابی کی طرف منسوب کر کے روایت کی گئی ہیں۔“

صفحہ ۲۰ پر حدیث کے مقابلے میں تاریخ پر ان کے ایمان کی گروہ اس طرح کھلتی ہے: ”حدیثوں کے سوا تاریخ کے کسی واقعہ میں کہیں تو اس بن سمان۔ سمان بن خالد کا نام نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ واقعی کوئی شخص ہوتے تو تاریخ کے کسی واقعہ میں تو کوئی ان کا ذکر کرتا۔“

صفحہ ۱۹ پر مزید فرماتے ہیں:

”حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ تو مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ اس لئے تاریخ اسلام سے باخبر حضرات کم از کم ان بزرگوں کے ناموں سے ضرور واقف ہیں۔ مگر ابو سیرہ حذیفہ بن اسید اور نو اس بن سمان کے ناموں سے بہت سے علماء بھی جو صرف کتب حدیث کے اول و آخر استاد کے سامنے بڑھ کر سند حدیث لے لیا کرتے ہیں، نہیں جانتے ہوں گے۔“

اور صفحہ ۱۰۹ پر تابعین کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیا ہے:

”ابو اہل اور زر بن جہش (عبد اللہ بن مسعود کے شاگرد) بھی وضامین کوفہ کے سن گھڑت تابعی ہیں۔“

اندازہ لگایا آپ نے! تاریخ پر علامہ عمادی کا کتنا پختہ ایمان ہے۔ وہ اسے کتب ہادی کی طرح مکمل اور ثقہ شخص سے پاک تصور کرتے ہیں۔ تاریخ کے کسی واقعہ میں اگر ایک صحابی کا ذکر نہ ہو تو علامہ کے نزدیک وہ خود ساختہ! اور ۹۰ بنیاد پر تابعی بھی من گھڑت ہے۔ اسے کہتے ہیں لاریب ایمان! تاریخ کے متعلق علامہ عمادی کا یہ غیر متزلزل یقین ذہن میں رکھتے ہوئے کتاب خدا کے صفحہ ۱۶۵ کی یہ طوفانی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

”جن حضرات کے نزدیک کتب احادیث آسمانی صحیفے، راویان حدیث حاملان وحی فرشتے اور جامعین حدیث مہبط وحی مثل انبیاء و مرسلین تھے وہ میری تحقیق سے کیا مطمئن ہو سکتے ہیں۔“

کلی اٹایا یوضح بما فیہ: ”برتن سے وہی چھلکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔“ منکرین حدیث کی کتب اسی قسم کی مغالطات سے بھری پڑی ہیں۔ ایک طرف تو یہ لوگ حدیث نبوی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، راویان احادیث کے لیے اس قسم کی زبان استعمال کرتے ہیں اور دوسری طرف قرآن کی آیات کی غلط تشریحات کر کے احادیث کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلاتے ہیں۔ ”وقات کج“ کا یہ موضوع اس کثرت سے دہرایا جا رہا ہے کہ عام لوگ انکی گمراہ کن باتوں سے متاثر ہونے لگے ہیں، لہذا ضروری ہے کہ قرآن وحدیث کے حوالے سے اس موضوع پر کچھ تفصیل پیش کی جائے تاکہ حق واضح ہو جائے۔

اسی سلسلے میں کچھ عرصہ قبل منکرین حدیث کے ایک گروہ نے ایک کتاب ”عقیدہ خاتم النبیین ﷺ“ کے نام سے شائع کی ہے۔ جس کے مصنف محمد ہادی ہیں۔ یہ اسی گروہ کے ایک فرد ہیں جو تقریباً ۱۵ سال قبل مومنوں کی جماعت سے احمد بن حنبل کے دفاع میں علیحدہ ہوا تھا۔ اگرچہ انکی علیحدگی کی وجہ طاغوت کا دفاع تھا لیکن اب انکار قرآن وانکار حدیث کا زہر رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔ اور اب وہ بڑے گروہ ہائے طواغیت میں شامل ہو کر گمراہی کے مشن میں سرگرم ہو گئے ہیں۔ مالک کائنات کی بات لاریب ہے، اس نے جو کچھ اپنی کتاب مقدس میں بیان کیا ہے وہ حرف بحرف سچا ہے۔ فرمایا گیا:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَكْثَرُ الظَّالِمِينَ يَخْضِعُونَ لَهُمْ مِنَ النَّارِ لِيُؤْتُوا لِيُغْلِبُوا  
أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرة: ۲۵)

”اور جنہوں نے کفر کیا، انکے دوست طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔“

آج یہ گروہ قرآن کی اس آیت کی زعمہ تفسیر بن گیا ہے۔ قرآن کا انکار کرتے ہوئے طاغوت کے دفاع میں مومنوں کی جماعت کو چھوڑا، پھر جادو کی احادیث کا انکار کرنے کے لیے قرآن کی آیات کا انکار کیا، تو اب کیوں نہ ہیں طاغوت ان کے دوست، جو ان کو ایمان کی روشنی سے نکال کر جہالت کے گھناؤپ اندھیروں میں لے گئے ہیں! ان کی اس کتاب کے مندرجات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوگا کہ شیطان نے انکو کتنی پستی میں لا کر پھینک دیا ہے۔ گویا قُلُوْهُم مَّوْعِزٌ قَدْ كَادَهُمْ لِلَّهِ مَوْعِزٌ (البقرة: ۱۰۱) ”ان کے دلوں میں مرض تھا تو اللہ نے اس مرض کو اور بڑھا دیا۔“

جتنی تیزی سے ان کا یہ مرض بڑھ رہا ہے اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ جلد ہی یہ گروہ انکار حدیث کے ضمن میں نیت نئے گوشے تلاش کریگا اور ہو سکتا ہے کہ عذاب قبر کے بارے میں بیان کردہ احادیث کا بھی انکار کر دے۔ پھر یہی



مرض ان کو پرہیز، تمنا، عبادی و چکڑا لوی کا حقیقی وارث بنا دیگا۔ العیاذ باللہ! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ پر قرآن کی صورت میں جو دس نازل ہوئی، مرزا غلام احمد نے اس کا کیا منہ کیا؟ قرآنی آیات کو توڑ مروڑ فی الوقت تو یہ قادیانی گروہ سے بھی آگے جا رہے ہیں۔

احمدی قادیانوں نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں آنے والی حدیثوں سے اپنے مطلب کا ایک آدھ لفظ جن کر یا ایک آدھ فقرہ سیاق و سباق سے الگ کر کے اس سے مرزا غلام احمد کو ”ظلی نبی“ اور ”مسح موعود“ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے جبکہ ترمنا عمادی پھولاری نے اس ضمن میں آنے والی تمام احادیث پر اپنے خاص انداز سے طبع آزمائی کر کے انہیں یکسر مسترد کر دیا بلکہ اپنے زعم باطل میں ایک جست اور لگا کر محض تاریخی حوالہ جات سے تمام جا معین حدیث کو وضاع اور دروغ گو ثابت کر دکھایا! منکر حدیث محمد بادی نے قرآن مجید کی آیات کی من مانی تخریجات کر کے قادیانیوں کے مشن کی خوب آبیاری کی۔ ان تمام کتب کا ایک ہی مضمون میں رد کرنا اور ایک ایک نکتے کا جواب لکھنا تو ممکن نہیں البتہ موضوع کی مناسبت سے آئندہ صفحات میں بعض اہم نکات کی وضاحت کی کوشش کی گئی ہے۔

قادیانی اور منکرین حدیث ”رفع و نزول عیسیٰ علیہ السلام“ کے مکمل انکاری ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کتاب اللہ کے دیے ہوئے عقیدے کے مقابلے میں ”مسیح موعود“ کا ایک نیا عقیدہ گھڑا اور خود کو مسیح موعود قرار دے ڈالا۔ بہر حال وفات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر یہ دونوں گمراہ گرد و مکمل طور پر متفق ہیں۔ اصل موضوع کی طرف آنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی دعوت کی ایک جھلک قارئین کے سامنے آجائے۔

مرزا کا خود ساختہ الہام

پہلا الہام: اللہ فرماتا ہے ”صبحِ امین مریم فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔ وَكَانَ وَعْدُ اللَّهِ مَفْعُولًا وَأَنْتَ مَعِي وَالَّتِ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ۝

(نحوہ: ذیل کے حصے 5/ اولیہ، 561/562/ تا کریمہ 19)

دوسرا الہام: اللہ فرماتا ہے ”میں تجھے زمین کے کناروں تک شہرت دوں گا۔  
جعلناک ابن مریم یعنی ہم نے تجھے ابن مریم بنایا ہے ان کو  
کہہ دے میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں“

(بحوالہ: ذیل مسیح ص 8 / ازلک اولہام ص 634 / تذکرہ ص 191)

تیسرا الہام: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ أَخْيَبْنَاكَ بِغَدَمِ أَهْلِكَ مِنَ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ وَجَعَلْنَاكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۝ "پہلی قوموں کے ہلاک کرنے کے بعد ہم نے تجھے زندگی دی ہے اور تجھے مسیح ابن مریم بنایا ہے" (تذکرہ)

لاحظہ فرمایا آپ نے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ پر قرآن کی صورت میں جو وحی نازل ہوئی، مرزا غلام احمد نے اس کا کیا حشر کیا؟ قرآنی آیات کو توڑ مرڈ کر کس طرح اپنے مطلب کے الفاظ ان میں داخل کر دیے؟

سب سے بڑا جھوٹ

جب کوئی شخص بے بنیاد بات سنتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا ٹھوٹ ہے۔ لیکن اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہوگا کہ ماں تو مدتوں پہلے فلسطین کے علاقے میں فوت ہوگئی اور ماں کی وفات کے دو ہزار سال بعد اس کے بیٹے نے ہندوستان میں جنم لیا! اللہ کے آخری رسول ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی، اس میں تو یہ اصول بیان ہوا ہے:

إِنْ أَمَّهُتُهُمْ إِلَّا الْآيَاتُ وَلَدَّتْهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا  
(المجادلة: ٢)

”ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جتا ہے۔ اور بے شک یہ لوگ نہایت ہی ناپسندیدہ اور مہوئی بات کہتے ہیں۔“

یہ آیت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ انسان کی حقیقی ماں وہی ہوتی ہے جس کے بطن سے وہ پیدا ہوتا ہے۔ دودھ پلانے والی عورت رضاعی ماں ہوتی ہے اور حقیقی ماں ہی کی طرح محترم۔ نیز قرابت کے لحاظ سے خالہ کا درجہ بھی ماں کے برابر ہی ہے لیکن کنیت کے لیے جس طرح حقیقی باپ کی نسبت ضروری ہے اسی طرح حقیقی ماں کی نسبت بھی لازمی ہے۔ ہر آدمی اس اصول سے بخوبی واقف ہے اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ابن مریم دنیا میں صرف ایک ہی شخص ہوا ہے جو مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ قرآن وحدیث میں جہاں کہیں ابن مریم کے نام سے کسی شخصیت کا ذکر کیا گیا ہے تو اس سے مراد صرف عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ لہذا مرزا غلام احمد کا یہ دعویٰ کہ ”اب وہ ابن مریم ہے“ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

”حضرت مسیح عیسیٰ کا وصال“ کے احمدی مؤلف نے اس کتاب کے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے:

”ابن مریم علیہ السلام کا ایک لقب اور نام تھا اور وہی لقب اور نام استعارۃً حضرت مسیح موعود (مرزا) کو دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ آپ (مرزا) میں عیسیٰ علیہ السلام کی صفات پائی جاتی ہیں اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ ادنیٰ مناسبت کی بنا پر بعض کو بعض کا نام دے دیا جاتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ”کفار مکہ حضور کو موعود سمجھ کر ابن ابی کبشہ کا لقب دیتے تھے۔“

اس سلسلے میں جو با عرض ہے کہ ”ابن مریم“ عیسیٰ (علیہ السلام) کی تو کنیت ہے ذلقب، بلکہ یہ آپ کا اسم گرامی یا اس کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:



إِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ فَذُنُّهُنَّ اللَّيْلَةَ عَنَّا ابْنُ

مَرْيَمَ (آل عمران: ۴۵)

”اور جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اے مریم اللہ تمہیں بشارت دیتا ہے ایک بچہ کی اپنی طرف سے جس کا نام مسیح یعنی ابن مریم ہوگا۔“

یہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ جن کے نزول کا مکمل بیان قرآن و حدیث میں ملتا ہے۔ نزول کی اکثر احادیث میں ”ابن مریم“ بیان کیا گیا ہے جسکی وجہ سے مرزا نے ایک ”نئے ابن مریم“ کا عقیدہ کشید کر لیا۔ حالانکہ وہ شخصیت جو نازل ہونے والی ہے اس کے لیے واضح طور پر ”عیسیٰ ابن مریم“ کا نام بھی استعمال کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، فَيَقْتُلُونِي عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

(مسلم: کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر مثال کرتا رہے گا اور وہ قیامت تک حق پر غالب رہیں گے۔ پھر عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔“

واضح ہوا کہ ”ابن مریم“ سے مراد عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہی ہیں، انکی جگہ کوئی نیا یا جعلی ابن مریم نہیں۔

یہ قادیانی دعویٰ کرتے ہیں کہ مرزا میں عیسیٰ علیہ السلام کی صفات پائی جاتی ہیں اس وجہ سے مرزا کو استعارۃً ابن مریم کہا گیا ہے۔ کوئی ان افترا پردازوں سے پوچھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی صفت مرزا میں پائی جاتی ہے؟ کیا وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا؟ کیا اس نے گہوارے میں لوگوں سے باتیں کیں؟ کیا وہ کوڑھ کے مریضوں کو صحیح کر دیتا تھا؟..... عیسیٰ علیہ السلام کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان کی گئی ہیں، کوئی ایک صفت تو بتا دو جو اس نبوت کے جھوٹے داعی میں ہو؟ ساری دنیا نے اب تک یقینی طور پر اس بات کا مشاہدہ کر لیا ہے کہ اصلی ابن مریم اور جعلی ابن مریم میں ادنیٰ سی مناسبت بھی نہیں۔

کفار مکہ نبی ﷺ کو اگر ”ابن ابی کبشہ“ کہتے تھے تو کسی صفت عربی قاعدہ کے لحاظ سے نہیں، بلکہ تعصب کی بنا پر کہتے تھے۔ اسی طرح ہر قتل کے دربار میں ابوسفیانؑ نے آپ ﷺ کو ”ابن ابی کبشہ“ کے لقب سے یاد کیا تو اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ اس وقت تک ابوسفیانؑ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ابوسفیانؑ نے کبھی بھی آپ ﷺ کو اس کنیت سے مخاطب نہیں کیا۔ لہذا مرزا غلام احمد کو ابن مریم کی کنیت سے مخاطب کرنا عین جہالت اور قریب کاری ہے۔

## شیطانی وحی

احمدیوں کی کتابوں میں یہ افترا پردازی کی گئی ہے کہ مرزا غلام احمد کو یہ ساری باتیں (یعنی ابن مریم کا فوت ہونا اور ان کی جگہ مرزا صاحب کو ابن مریم کے مرتبے پر فائز کرنا) اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام وحی یتائی ہیں۔ جھوٹے الہامات کا یہ سلسلہ اسی وجہ سے شروع ہوا کہ ان کے پاس اس کی بابت قرآن و حدیث سے کوئی واضح دلیل تھی ہی نہیں۔ اور پھر یہ کہ ابن حنیہ، اسود غسانی اور مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک اور ان کے بعد ماضی قریب کے ایک مدعی نبوت یوسف کذاب تک تمام جھوٹے نبیوں نے یہی دعویٰ تو کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں وحی کے ذریعے منصب نبوت عطا کیا گیا ہے۔ اب اگر ہر منچلے اور سر پھرے کی دعوت پر یقین کر لیا جائے تو نبوت کے جھوٹے دعویٰ داروں کا سلسلہ تو کبھی ختم ہونے میں نہ آئے گا! اللہ کے آخری رسول ﷺ آچکے، آخری آسمانی کتاب نازل ہو چکی، دین مکمل ہو چکا۔ اس لیے مکرر اجراءے وحی کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی مقصد۔ اس کے باوجود بھی مرزا صاحب نے دعویٰ کر ہی دیا ہے تو پھر کہنا پڑے گا کہ یہ رحمانی وحی ہرگز نہیں، شیطانی وحی ہے۔ کیونکہ شیطان بھی اپنے دوستوں کو وحی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ الشَّيْطَانُ يُوَسِّسُونَ إِلَىٰ آوَالِهِمْ هُمْ (الانعام: ۱۲۱)

”اور بے شک شیطان اپنے ساتھیوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔“

## رحمانی وحی

سورۃ الانعام کی درج بالا آیت سے ثابت ہوا کہ شیطانی وحی ہر وقت جاری و ساری ہے۔ اس کے برعکس رحمانی وحی موقوف ہو چکی ہے جس کی مندرجہ ذیل احادیث سے مکمل وضاحت ہو جاتی ہے:

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُعَذِّفُونَ ، فَإِنْ بَكَ فِي أُمَّتِي أَخَذًا فَإِنَّهُ عُمَرُ

(بخاری: فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطابؓ)

”تم سے پہلے اگلی امتوں میں معذت ہوا کرتے تھے میری امت میں کوئی ایسا

ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔“ (معذت کی تشریح اگلی روایات میں آرہی ہے)

ابو ہریرہؓ سے مروی دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِي مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجَالٌ يُكَلِّمُونَ



مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ ، فَإِنْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعَمْرُ  
(بخاری: فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب ﷺ)  
”تم سے پہلے بنی اسرائیل میں سے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان سے کلام کیا  
جاتا تھا حالانکہ وہ نبی نہ تھے۔ میری امت میں اس طرح کا کوئی آدمی ہوتا تو  
تو عمر ہوتا۔“

صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:  
قَدْ كَانَ يَكُونُ فِي الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي  
مِنْهُمْ أَحَدٌ ، فَإِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مِنْهُمْ . قَالَ الْبُقْ وَهَبُ :  
تَفْسِيرُ مُحَدَّثُونَ مُلْهِمُونَ (مسلم: کتاب الفضائل، باب من فضائل عمر بن الخطاب ﷺ)  
”تم سے پہلے امتوں میں محدث ہو کر تھے میری امت میں اگر کوئی ایسا  
فہم ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتا۔ اس حدیث کے راوی ابن وہب نے  
حدیث میں مذکور لفظ محدثوں کی تفسیر میں کہا ملہمون (یعنی جن کو الہام کیا جاتا تھا)  
مذکورہ احادیث میں نبی ﷺ نے واشکاف الفاظ میں بتا دیا کہ اگر میری  
امت میں کسی فرد کو یہ اعزاز حاصل ہوتا کہ فرشتے اس سے باتیں کرتے یا انہیں  
الہام ہوتا تو وہ صرف عمر بن خطاب ﷺ ہوتے۔ گویا یقین ساری امت میں کسی  
دوسرے فرد کو یہ اعزاز حاصل نہ ہوگا۔

یہاں قارئین کے ذہن میں یہ سوال جنم لے سکتا ہے کہ کیا عمر ﷺ پر وحی آتی  
تھی یا انہیں الہام ہوتا تھا؟ تو اس کے جواب میں بخاری کی روایت ملاحظہ فرمائیے:  
أَنَّ (عِنْدَ اللَّهِ بْنِ عُثَيْبٍ) قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) يَقُولُ :  
إِنْ أَنَا كُنْتُ أَنْبِيَاءُ لَوْ خُذْتُ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ (ﷺ) وَإِنَّ  
الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمْ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ  
أَعْمَالِكُمْ ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمَنَّا وَقَرَّبَنَا ، وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ  
سِرِّهِ شَيْءٌ ، اللَّهُ يُخَابِسُ فِي سِرِّهِ ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا شَيْئًا  
لَمْ نَأْمَنُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ ، وَإِنْ قَالَ : إِنْ سِرِّهِ حَسَنَةٌ

(بخاری: کتاب الشہادۃ، باب الشہداء العدول)

”عمر ﷺ نے فرمایا نبی ﷺ کے زمانے میں وحی کی بنا پر بعض لوگوں کا  
مواخذہ ہو جاتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے (کیونکہ نبی ﷺ کی  
وفات ہو چکی ہے)۔ اب ہم تم کو تمہارے ظاہری اعمال پر پکڑیں گے جو شخص  
ظاہر میں نیک کام کرے گا اسی پر ہم اتماد کریں گے اور اسی کو دوست بنائیں  
گے اس کے باطن سے ہمیں کوئی سرکار نہیں۔ اور جو ظاہر میں برے کام  
کرے گا ہم نہ تو اس پر بھروسہ کریں گے اور نہ اسے سچا سمجھیں گے۔ اگرچہ وہ  
لاکھ دعویٰ کرے کہ میرا باطن اچھا ہے۔“

اس روایت کے متن میں عمر ﷺ کے یہ الفاظ مسئلہ زیر بحث میں فیصلہ کی  
حیثیت رکھتے ہیں: آپ نے فرمایا اِنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ ”وحی کا سلسلہ منقطع  
ہو چکا ہے۔“ ثابت ہوا کہ عمر ﷺ کو بھی جملہ فضائل کے باوجود وحی یا الہام کی  
سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہاں ساریۃ النجیبی کے الہام والا واقعہ، جو  
ان سے منسوب ہے، وضعی اور جھوٹا ہے۔

یہاں وہ حدیث بھی پیش نظر ہے جس کے مطابق ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما  
ایک دفعہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ملنے گئے تو نبی ﷺ کے ذکر پر وہ رونے لگیں  
اور اپنے رونے کا سبب یہ بتایا کہ اِنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ (یعنی نبی ﷺ  
کی وفات کے بعد آسمان سے وحی کا آنا بند ہو گیا۔ (مسلم: کتاب الدعاء، باب من دعا من بعدک من المرسلین)  
مذکورہ بالا احادیث کے الفاظ یککلموں اور محدثوں تقریباً ہم معنی ہی  
ہیں۔ قرآن سے بھی یہ ثابت ہے کہ مریم صدیقہ سے فرشتوں نے باتیں کیں۔  
قرآن میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ام موسیٰ کی جانب اللہ نے وحی بھیجی اور انہیں  
علم دیا کہ اس بچے (موسیٰ علیہ السلام) کو صندوق میں ڈال دیں، اسی طرح شہد کی  
مکھی کی طرف وحی کیے جانے کا بیان بھی قرآن میں موجود ہے۔ ایک الہام جو  
عام انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ یہ ہے:

فَالْتَمِهْهَا تُجَورُهَا وَتَقُولُهَا «النَّسِ»

”پھر الہام کر دی اس پر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری“

اس الہام کے علاوہ کبھی کبھار کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے  
انسان کے ذہن میں کوئی خیال ڈال دیا جاتا ہے۔ کبھی وہ خیال درست بھی ثابت  
ہو جاتا ہے لیکن اس خیال کو وحی جیسا نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ اس کے عمل صحیح ثابت  
ہونے سے پہلے اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شیطان  
بھی وحی کرتا ہے، اور یہ وحی انسان کے دل میں دوسووں کی صورت میں ہوتی ہے۔  
اب اگر کسی دل میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ من جانب  
اللہ ہے یا یہ شیطان کی طرف سے ہے؟

بڑے بڑے صوفیاء نے کشف والہام کے دعوے کیے ہیں، اسی کو بنیاد  
بناتے ہوئے مرزا غلام احمد نے اگر یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان پر وحی آتی ہے یا الہام  
ہوتا ہے، تو یہ کوئی نئی بات نہیں، یہ ان صوفیاء ہی کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ البتہ  
اس بحث سے یہ بات تو بہت انجھی طرح آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ مرزا غلام  
احمد قادیانی کا یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی والہام انہیں یہ معلوم  
ہوا ہے کہ ”امین مریم (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) فوت ہو چکا ہے“، سراسر جھوٹ ہے۔  
احمد یوں اور منکرین حدیث نے وفات عیسیٰ علیہ السلام کے اثبات اور نفی و



”اور تمہاری عورتوں میں سے جو کوئی بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان پر اپنے  
میں سے چار کی گواہی لاؤ اور اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھر میں قید رکھو  
یہاں تک کہ موت ان کا معاملہ پورا کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی نیکل نکال  
دے۔“

ثابت ہوا کہ ”موت“ اس کے اصطلاحی معنی ہیں نہ کہ حقیقی۔ اگر یہ فقہن کے  
معنی صرف اور صرف ”موت“ ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ یہاں علیحدہ سے ”موت“  
کا لفظ کبھی استعمال نہ فرماتا۔

سورۃ الزمر کی مذکورہ آیت میں یہ لفظ ”قبض روح برائے موت“ اور ”قبض  
روح برائے نیند“ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اب یہ تیز کیسے کی جائے گی  
کہ کس مقام پر قوفی کے معنی برائے موت ہیں اور کس مقام پر یہ نیند کے لیے  
استعمال ہوا ہے؟ آئیے قرآن کی آیات سے اسے سمجھیں۔

سورۃ زمر کی آیت میں قوفی کا ”فاعل“ اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی انسانوں  
کی روح قبض کرتا ہے، لیکن موت اور نیند کے لیے قبض کی جانے والی روحوں میں  
ایک واضح فرق ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے ہم قرآن کی آیات کا مطالعہ کرتے  
ہیں۔

### قبض روح برائے موت

حَقَّكَ إِذَا جَاءَكَ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُوَ لَا يُفْعِلُونَ ۚ ثُمَّ  
نُفِثَ إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمْ الصَّحِيقُ (احقاف: ۸۱)

”یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے  
(فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر تم  
پلٹائے جاتے ہو اللہ کی طرف جو تمہارا حقیقی مالک ہے۔“

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْغُلَامُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ  
أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ (الاحقاف: ۹۳)

”کاش تم غلاموں کو اس حالت میں دیکھ سکو جبکہ وہ مکررات موت میں ہوتے  
ہیں اور فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوتے ہیں لاؤ نکالو اپنی جانوں کو“  
فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يُضْرَبُونَ وَجُوهُهُمْ وَأَذَانُهُمْ (محمد: ۲۷)  
”پھر کیا ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں قبض کریں گے ان کے منہ اور بینوں  
پر مارے ہوئے۔“

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَتَوَفَّوْنَ مِنْهُ فَزَاءٌ مُّغْتَبِهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ غِلْفٍ  
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ فَيُنْفِثُكُمْ بِهَا أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الحجرات: ۸)

”(ان سے) کہو جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آکرے گی، پھر تم اس

نزدول کی تردید کے شوق میں قرآن وحدیث کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اس کے  
محاسبہ کے لیے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کا مکمل موقف قارئین  
کے سامنے لایا جائے۔

## عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ کا تَوْفِي

قرآن سے توفی کے معنی

توفی، رفع اور نزول عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ پر قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرنے  
سے قبل ضروری ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ لفظ ”تَوْفِي“ قرآن مجید میں کن کن  
معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ یہی وہ لفظ ہے جس سے قادیانیوں اور منکرین  
حدیث نے عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ کی موت کا باطل عقیدہ کشید کیا ہے۔

توفی کے لغوی معنی ”پورا پورا لینا“ ہیں۔ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران  
میں فرمایا گیا:

وَأَنفِثْنَا نَافِثَاتٍ فُجُورًا لَّيْسَ لَهُنَّ الْعِلْمُ (الاحقاف: ۸۵)

”اور تم اپنے اجر قیامت کے دن پورے پورے پالو گے۔“

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ بِجُثُلِهَا عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ  
لَا يُظْلَمُونَ (الزلزال: ۸)

”جس دن ہر شخص اپنی ذات کے لیے جگڑنے کے لیے آئے گا اور ہر شخص کو  
اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

اس لغوی معنی کے علاوہ بھی یہ لفظ قرآنی آیات میں دوسرے معنوں میں استعمال  
ہوا ہے، مثلاً:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَاطِبِهَا (النور: ۳۲)  
”اللہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی  
ان کی سوتے وقت۔“

اس آیت میں توفی بمعنی ”قبض روح“ استعمال ہوا ہے۔ اصطلاحاً یہ  
لفظ موت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سورۃ یونس میں فرمایا:

وَلَكِنْ أَعْبَدَ اللَّهُ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم (يونس: ۸۳)

”بلکہ میں تو اس رب کی بندگی کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے۔“

تو معلوم ہوا کہ اس کے لغوی معنی تو ”پورا پورا لینا“ ہیں، لیکن مجازاً یہ ”قبض روح“  
اور اصطلاحاً ”موت“ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس کے حقیقی معنی  
موت کے نہیں، جیسا کہ قرآن کی آیت سے واضح ہے:

وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّكَ الْغُلَامَةُ مِنْ بُنَاتِكَ فَاسْتَفْهَدْ وَأَعْلِنَ أَرْبَعَةً مِّنْهُنَّ قَالَ  
يَسْأَلُكَ اللَّهُ فِي السُّبُوتِ حَقَّ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلُ اللَّهُ لَهُنَّ



کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ و ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

وَالَّذِينَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (النور: ۴۱)

”اور تم ہے ان (فرشتوں) کی جو ذوب کرکھینچے ہیں اور ان کی جو آسانی سے کھولتے ہیں۔“

قرآنی آیات سے واضح ہوا کہ تَوَفُّی کا لفظ جب اس موقع پر استعمال ہو کہ قبض روح فرشتوں کے ذریعے ہو رہی ہو تو اس کے معنی موت ہیں کیونکہ کتاب اللہ سے یہی ثابت ہے کہ جسم اور روح کے اتصال کا نام زندگی، اور ان کی جدائی کا نام موت ہے۔ موت کے وقت فرشتے جسم میں ذوب ذوب کر روح نکال لیتے ہیں۔ مزید فرمایا گیا:

لَنُفِخَنَّ فِي الصُّرُوفِ وَالنَّازِلَاتِ فِيهَا الْمَلَائِكَةُ (الانعام: ۶۱)

”پھر تم پلٹائے جاتے ہو اللہ کی طرف جو تمہارا حقیقی مالک ہے۔“

## روح کا پلٹانا

جب کوئی چیز اپنے مقام پر واپس جاتی ہے تو اسے ”پلٹنا“ کہتے ہیں۔ پیدا کرتے وقت جسم میں جو روح ڈالی جاتی ہے وہ اللہ کی طرف سے آتی ہے اور جب فرشتے اللہ کے حکم سے اس روح کو انسان کے جسم سے نکال کر واپس اسے اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں تو اسے ”روح کا پلٹنا“ کہتے ہیں۔

سورہ مومنون آیت نمبر ۹۹، ۱۰۰ میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان فرمایا ہے کہ ان کے درمیان ایک آڑ حائل کر دی گئی ہے اٹھائے جانے والے دن تک کے لیے۔ اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۵، ۱۶ میں فرمایا کہ زندگی کے اس دور کے بعد تم کو موت آکرے گی اور پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

## نیند کے لیے قبض روح

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقَاسَى أَهْلُكُمْ عَنْهُمْ (النور: ۳۸)

”اور وہی تو ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، پھر وہ تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ طے شدہ وقت پورا ہو۔ آخر کار اسی کی طرف پلٹ کر تمہیں جانا ہے پھر وہ تم کو بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔“

نیند کے لیے قبض روح کے معاملہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر ہے۔ قرآن وحدیث میں نہ کہیں اس قبض روح کے لیے کسی فرشتے کو بھیجے جانے

کا ذکر ملتا ہے اور نہ ہی جسم سے روح کے اخراج اور پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹائے جانے کا۔ گویا یہ قبض روح ”بالجسم“ ہے۔ انسان نیند کی کیفیت میں پورا پورا اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہوتا ہے، اس کے کچھ حواس مکمل طور پر معطل اور کچھ نیم معطل کر دیے جاتے ہیں۔ شعور و ادراک کی کیفیت بہت کم ہو جاتی ہے لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ پر منحصر ہوتا ہے۔ کسی انسان کی آنکھ معمولی آہٹ پر کھل جاتی ہے، یعنی اس کی روح چھوڑ دی جاتی ہے، اور کسی کے کان پر ہتھوڑے چلاتے رہیں اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ اس قبض روح میں انسان کے ہاضمہ کا نظام بھی کام کرتا رہتا ہے، کسی کسی کا پیشاب بھی خطا ہو جاتا ہے، کوئی سوتے ہوئے چلنے لگتا ہے لیکن سو کر اٹھنے پر جب اسے بتایا جاتا ہے تو اس کا انکار کر دیتا ہے۔ گویا یہ انسان ہوتا تو زندہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا ہے اس کے حواس سلب کر لیتا ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ اس قبض روح کے بعد اللہ تعالیٰ ان انسانوں کو اٹھا دیتا ہے تاکہ وہ زندگی کی مدت پوری کر لیں، یعنی جو وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی موت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ یہ اٹھایا کہاں جاتا ہے؟ فرمایا: ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ (پھر وہ تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں)۔ یعنی اسی دنیا میں جہاں اس کا ”تَوَفُّی“ ہوا تھا۔

قرآن کے اس بیان سے واضح ہوا کہ موت اور نیند کے لیے روح قبض کیے جانے کے دو علیحدہ علیحدہ قوانین ہیں۔ ان دونوں قوانین میں کیا فرق ہے ایک بار پھر اس کا جائزہ لیتے ہیں:

قانون قبض روح برائے نیند      قانون قبض روح برائے موت

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی قائل ہے، فرشتوں کا ذکر نہیں۔      فرشتے اللہ کے حکم سے روح قبض کرتے ہیں۔

۲۔ روح جسم سے نہیں نکالی جاتی      فرشتے جسم سے روح نکال لیتے ہیں      یعنی مکمل طور پر روح قبض نہیں کی جاتی بلکہ جسد و روح کا اتصال رہتا ہے۔

۳۔ روح اللہ تعالیٰ کے پاس لے جائے جانے کا کوئی ذکر نہیں۔      فرشتے روح اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں۔

۴۔ کچھ حواس مکمل طور پر معطل اور کچھ نیم معطل کر دیے جاتے ہیں۔      تمام حواس قیامت تک کے لیے سلب کر لیے جاتے ہیں۔

۵۔ قبض روح ختم کر کے اللہ اسے اسی دنیا میں دوبارہ اٹھا دیتا ہے۔      اب اسے قیامت کے دن ہی اٹھایا جائے گا۔



یہ مردہ ہوتا ہے اور قیامت تک  
مردہ ہی رہتا ہے۔

مندرجہ بالا تھالی سے اس بات میں شک کی کوئی گنجائش باقی ہی نہیں رہی کہ لفظ  
تَوَفَّیٰ جب کسی ایسی جگہ استعمال ہو جہاں روح قبض کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ  
کا ذکر ہو تو وہ موت کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔

## توفی و رفع عیسیٰ علیہ السلام

اب ہم آتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلے کی طرف کہ جب یہودیوں نے ان  
کے قتل کے لیے خفیہ تدبیریں کیں:

مَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَاكِرِينَ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ

وَرَافِعُكَ إِلَيَّ ۚ (آل عمران: ۵۵، ۵۶)

”یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف (خفیہ تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی  
تدبیر کی، اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ جب اللہ نے  
کہا: اے عیسیٰ میں تجھے اٹھالوں گا اپنی طرف اور تجھے پورا پورے لوں گا۔“  
وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ سَلَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا  
صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ذَلِكَ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَلَقَدْ شَكَّ مِنْهُ  
مَنْ أَهْلُهُ مِنْ عَلَيْهِ إِلَّا الْيَهُودَ الْقَلْبَنَ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ذَٰلِكَ رَفَعَهُ اللَّهُ  
إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۖ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ  
بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

”اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا۔ (جبکہ)  
تو انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ  
بنادیا گیا اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ اس کی طرف سے شک  
میں ہیں۔ ان کے پاس اس کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی  
بیوی کرنے کے۔ اور یقیناً انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی  
طرف اٹھالیا، اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ اور اہل کتاب میں سے  
کوئی ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا۔ اور  
قیامت کے دن وہ اس پر گواہ ہوں گے۔“

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی خفیہ  
تدبیریں شروع کر دیں، انکی ان تدبیروں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر  
کی، اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے انسانوں کی تدبیروں کی کیا حیثیت! وہ تو  
ما فوق الاسباب ہے، ایک سے بڑھ کر ایک تدبیر کرنے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ  
نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے پورا پورے لوں گا (یعنی جسم  
اور روح سمیت) اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا۔ پھر سورہ نساء کی آیات میں

مالک کائنات نے اس کی مزید وضاحت فرمائی کہ یہ یہود اس بات کا دعویٰ کر  
رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو قتل کر دیا۔ ان  
کے اس دعویٰ کو اللہ تعالیٰ نے بڑے شدید انداز میں رد فرمایا: کہ نہ تو انہوں نے  
اسے قتل کیا اور نہ ہی اسے صلیب پر چڑھایا ہے بلکہ یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ  
بنادیا گیا۔ پھر فرمایا کہ اب جو ان کے درمیان اختلاف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل  
کر دیے گئے یا ان کو صلیب پر چڑھادیا گیا، تو یہ محض ظن و گمان کی باتیں ہیں۔  
سنو! یہ ایک یقینی بات ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ  
نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ وہ زبردست  
طاقت والا حکیم رب ہے۔ یہ اس کی عظیم قدرت و حکمت ہی کا کارنامہ ہے لہذا تم  
اس سوچ میں نہ پڑ جاؤ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک زندہ انسان جسے لوگ مارنے کی  
کوشش کر رہے ہوں اسے بچا ہی نہ لیا جائے بلکہ اسے زندہ آسمان پر بھی اٹھالیا  
جائے۔ اگلی آیت میں ساتھ ہی اس بات کی بھی تصدیق فرمادی کہ انہیں ابھی  
موت نہیں آئی ہے بلکہ ان کی موت سے قبل ایک وقت وہ آئے گا کہ  
جب ہر اہل کتاب ان پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام  
ان کے ایمان لانے کی گواہی دیں گے۔ بعض اس مغالطے کا شکار ہو گئے ہیں کہ  
فصل مہربہ میں ”ا“ کی ضمیر ”ہر اہل کتاب“ کی طرف ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ  
بخاری کتاب التفسیر کی روایت میں نبی ﷺ نے یہ واضح کر دیا کہ یہ قرب قیامت  
عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام روز قیامت ان کے ایمان کی  
گواہی دیں گے۔ (بخاری: کتاب الانبیاء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام) ۱۵۷

اب ہم توفی کے وہ معنی کرتے ہیں جس کا اصرار قادیانی اور منکرین  
حدیث کرتے ہیں یعنی ”قبض روح“۔ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:  
يُعِيسِيٰ رَبِّي مُتَوَفِّيكَ ۖ اے عیسیٰ! میں تیری روح قبض کر لوں گا۔ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ ۚ اور  
تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا۔

ان معنی میں بھی موت کا کوئی مفہوم نہیں نکلا، کیونکہ یہاں فاعل خود اللہ تعالیٰ  
ہی ہے، اور جیسا کہ مذکورہ سطور میں قرآنی آیات کی روشنی میں واضح کیا گیا کہ  
جب اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہو تو وہ موت نہیں بلکہ زندگی کی ہی کیفیت ہے۔ چنانچہ یہ  
بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اپنی طرف اٹھالیا۔  
جب فرشتے انسان کی روح قبض کر کے لے جاتے ہیں تو وہاں رَد کا لفظ  
استعمال کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل پہلے بیان کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ  
ﷺ ہمارے کتابچے ”یہ جزا یہ ملے“ میں سہا ایسا لکھ دیا گیا ہے ورنہ اکثر عثمانی کا موقف  
بھی یہی تھا اور وہ قرآن و حدیث کے مطابق تفسیر غالب کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہی راجع سمجھتے تھے



التَّلَکِیَّة کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ اگر روح ان کے جسم سے نکال لی جاتی اور فرشتے اسے لے کر جاتے تو اسے روح کا پلٹنا کہا جاتا یعنی ان کو موت آگئی ہوتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَأَفْعَلْنَا لَیْ** ”اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا“۔ سورہ نساء میں فرمایا: **وَمَا أَفْعَلُوهُ یَقِیْنًا إِنَّ بَکَ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَیْهِ** ”اور یقیناً انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا“۔ ان الفاظ پر غور فرمائیے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا: بل۔ دفع۔ لا۔ اللہ۔ الیہ“ بلکہ۔ اٹھا لیا۔ اسے۔ اللہ نے۔ اپنی طرف“۔ یہاں قائل فرشتے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہے، مفعول ”لا“ ہے۔ رَفَعَهُ میں ”لا“ کی یہ ضمیر غائب کس کی طرف راجع ہے؟ اسی کی طرف جس کی طرف **وَأَفْعَلْنَا** میں ”ک“ کی ضمیر مخاطب راجع ہے یعنی زندہ عیسیٰ التَّلَکِیَّة کو۔

کتاب اللہ میں بیان کردہ قانون سے اس بات کی مکمل وضاحت ہوگئی کہ عیسیٰ التَّلَکِیَّة کو موت نہیں آئی بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ (معد روح و جسم) اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ یہ استدلال محض آیات قرآنی پر مبنی ہے جو شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس لیے اس کے خلاف قیاس و گمان سراسر باطل ہے۔ اس مسئلے پر قرآن سے وضاحت کے بعد اب ہم آتے ہیں نزول عیسیٰ التَّلَکِیَّة کے مسئلے کی طرف۔

## نزول عیسیٰ التَّلَکِیَّة

مندرجہ بالا طور میں یہ بات کی گئی کہ وہ روح جو اللہ تعالیٰ بذات خود قبض کرتا ہے، وہ بارہ چھوڑ دی جاتی ہے۔ انسان دوبارہ اسی دنیا میں مکمل ہوش و حواس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے تاکہ موت کا وہ وقت جو اس کے لیے متعین ہے وہ اسے پورا کر لے۔ عیسیٰ التَّلَکِیَّة کا رفع ہوا ہے لیکن موت تو ہر انسان کے لیے ناگزیر ہے، آپ پر بھی اس قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۶۰

**ثُمَّ یَرْجِعُکُمْ فِیْہِ لِیَبْلُغَیْ اَجَلَہُمْ فَسَیُکَفِّرُ سَمِیْعًا مِّنْہُمْ مَّنْ یَّشَآءُ**

”پھر وہ تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ طے شدہ وقت پورا ہو۔ آخر کار اسی کی طرف پلٹ کر تمہیں جاتا ہے“

سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ صرف قیاس کی بات نہیں ہے بلکہ قرآن کی متعدد آیات کی روشنی میں ثابت شدہ ہے اور سورہ نساء کی مذکورہ آیات تو بالکل صراحت سے اس کو واضح کرتی ہیں۔

غور فرمائیے ایک طرف تو ان کے قتل (موت) کے دعوے کو رد کیا، پھر ان کے رفع کا ذکر فرمایا اور پھر بتایا گیا کہ ہر اہل کتاب عیسیٰ التَّلَکِیَّة کی موت سے قبل ان پر ایمان لے آئے گا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ اہل کتاب ان کی موت سے پہلے

ایمان لے آئے تھے۔ اگر یہ بات کہی گئی ہوتی تو پھر ان گمراہ لوگوں کی بات میں کچھ وزن ہوتا۔ بلکہ فرمایا کہ ”ایمان لے آئے گا“، یعنی یہ بات مستقبل کی ہے کہ مستقبل میں ایسا معاملہ ہوگا۔ سورہ زخرف میں عیسیٰ التَّلَکِیَّة کے تذکرے کے تسلسل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**وَرَبَّنَّ اَتَعِدُکُمْ لَیْسَ اَعَدَّ فَلَا تَمُوتُنَّ فِیْہَا وَاَلِیَوْمَ نَبْیُکُمْ مُّسْتَقِیْمٌ (الزخرف ۲۶)**

”اور بے شک وہ (عیسیٰ) قیامت کی نشانی ہے اور تم اس بارے میں ہرگز شک نہ کرو۔ تم میری بات مانو (کہ) میں سیدھی راہ ہے۔“

قرآن نے بتا دیا کہ عیسیٰ التَّلَکِیَّة کو پورے کا پورا یعنی جسم و جان کے ساتھ اٹھالیا گیا ہے، مستقبل میں ان کی موت واقع ہوگی اور پھر اشارہ بھی دے دیا کہ یہ قرب قیامت کی بات ہے۔

عیسیٰ التَّلَکِیَّة کا نہ صرف توفی بلکہ رفع بھی ہوا تھا۔ آپ کا توفی اسی دنیا میں ہوا تھا اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق اب آپ کی بشت بھی اسی دنیا میں ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں بھیجے جائیں گے جیسا کہ اوپر کہا گیا۔ سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۵۹

**وَلَنْ یُّؤْمِنَ اَہْلُ الْکِتَابِ اِلَّا بِیَوْمِیْنِ ۙ یَّہِ قَبْلَ مَوْتِہِمْ یَوْمِیْنِ الْفَیْئِمَہِ یَکُونُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا**

”اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا، اور قیامت کے دن وہ اس پر گواہ ہوں گے“

خود ان کے اس دنیا میں نزول کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اور بخاری کی درج ذیل روایت، جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، اس کی صریح تفسیر ہے:

”قسم اس (رب) کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ زمانہ قریب ہے

کہ ابن مریم تم لوگوں میں حاکم عادل ہو کر نازل ہوں گے۔ صلیب کو توڑ

ڈالیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے۔ مال کی (اتنی)

بہتات ہوگی کہ کوئی اسے نہ لے گا، یہاں تک کہ ایک عجمہ دنیا و مافیہ سے

ہجرت ہوگا۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر تم چاہو تو

(اس سے ثبوت میں) یہ آیت پڑھاؤ: **وَلَنْ یُّؤْمِنَ اَہْلُ الْکِتَابِ اِلَّا بِیَوْمِیْنِ ۙ یَّہِ قَبْلَ مَوْتِہِمْ**

**یَوْمِیْنِ الْفَیْئِمَہِ یَکُونُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا** ”اور اہل کتاب میں سے کوئی

ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا۔ ا۔ قیامت کے

دن وہ اس پر گواہ ہوں گے“۔ (بخاری: کتاب الانبیاء، باب نزول عیسیٰ بن مریم)

یہ قطعاً غیر مبہم اور صریح دلیل ہے۔ عیسیٰ التَّلَکِیَّة ان اہل کتاب کے ایمان لانے کی شہادت جب ہی دیں گے جب وہ ان کے سامنے ایمان لائیں گے۔ تو یہ اہل کتاب اسی زمین پر ایمان لائیں گے نہ کہ آسمانوں میں جا کر! یہی بات اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو وحی کے ذریعے بتائی، ملاحظہ فرمائیے:



## نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نبی ﷺ کے ارشادات:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ

(بخاری، کتاب المظالم، باب کسر الصليب)

”قیامت نہ قائم ہوگی جب تک کہ تم میں ابن مریم نہ نازل ہو جائیں۔“

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الثَّوَابِ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، فَيَقُولُ أَمِيزُكُمْ تَعَالَى صَلِّ لَنَا فَيَقُولُ: لَا أَنْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ أَكْرَمُ أَتُكْرِمُهُ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةُ

(مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائل کرتا رہے گا اور وہ قیامت تک حق پر غالب رہیں گے۔ پھر عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔ اس گروہ کا امیر ان سے درخواست کرے گا: آئیں صلوٰۃ میں ہماری امامت فرمائیں۔ وہ کہیں گے نہیں تمہارے امیر تمہی میں سے ہوں گے۔ یہ وہ عزت ہے جو اللہ تعالیٰ اس امت کو دے گا۔“

الَّذِينَ تَقُومُ حَتَّى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ فَذِكْرُ الدُّخَانِ وَ الدَّجَالِ وَ الدَّابَّةِ وَ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَ نُزُولُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ وَ يَأْجُوجُ وَ مَا يَأْجُوجُ وَ ثَلَاثَةٌ خُشُوفٌ: خُشْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَ خُشْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَ خُشْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَ أَحَدُ ذَلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ فَتَقْرُؤُ النَّاسَ إِلَى مُحْضَرِهِمْ

(مسلم، کتاب الفتن و الاشرار، باب الساعة)

”قیامت ہرگز اس وقت تک نہ آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیوں نہیں دیکھ لو گے، پھر آپ نے ذکر کیا دُخان کا اور دجال کا اور دابۃ الارض کا (یعنی زمین سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا)، سورج مغرب سے طلوع ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، یا جوج ماجوج نکل پڑیں گے، تین جگہ خف ہوں گے (یعنی زمین جھنس جائے گی): مشرق میں، مغرب میں، جزیرہ العرب میں، اور آخری نشانی یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانکتی ہوئی مشرق کی جانب لے جائے گی۔“

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُؤْخَذَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا، فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَ يُقْتُلُ الْخِزْيَانِ، وَ يُضَعُ الْجِزْيَةُ وَ يَقْبِضُ الْمَالَ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ، حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ حَيْرَ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَ أَقْرَبُ مَا أَنْ لَكُمْ مِنْ وَلَدٍ مِنَ أَهْلِ الْكِتَابِ لَا يُؤْمِنُ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيَكُونَنَّ عَلَى هَيْئَةٍ كَهَيْئَةِ النَّجْدِيِّ

(بخاری، کتاب الاسماء، باب نزول عیسیٰ بن مریم)

”قسم اس (رب) کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ زمانہ قریب ہے کہ ابن مریم تم لوگوں میں حاکم عادل ہو کر نازل ہوں گے۔ صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔ خیزر کو قتل کریں گے، جزیرہ موقوف کر دیں گے۔ مال کی (اتنی) بہتات ہوگی کہ کوئی اسے نہ لے گا، یہاں تک کہ ایک مجاہد دنیا و مافیہ سے بہتر ہوگا۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر تم چاہو تو (اس کے ثبوت میں) یہ آیت پڑھ لو: وَلَدٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَا يُؤْمِنُ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيَكُونَنَّ عَلَى هَيْئَةٍ كَهَيْئَةِ النَّجْدِيِّ“ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے گا۔ اور قیامت کے دن وہ اس پر گواہ ہوں گے۔“

..... إِذْ بَعَثَ اللَّهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَازَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُودَيْنِ وَاضِعًا كَفَّهُ عَلَى أَجْبَحَةِ مَلَكَيْنِ إِذَا طَاطَأَ رَأْسَهُ قَطْرٌ وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جَمَانٌ كَمَا لِلْقُلُوبِ فَلَا يَجْلُ لِكَافِرٍ يُجَدُّ رِيحُ نَفْسِهِ إِلَّا مَاتَ وَ نَفْسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي ظَرْفُهُ فَيُطْلَبُهُ حَتَّى يَدْرِكَهُ بِبَابٍ لَدَى فَيَقْتُلُهُ ..... إِذْ بَعَثَ اللَّهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُ هُمْ ثَلَاثَ أَبْجَافِهِمْ فَتَنْفُصُ رُوحَ كُلِّ قَوْمٍ وَ كُلِّ مُسْلِمٍ وَ يَبْقَى شِرَازُ النَّاسِ يَنْفَازُ نُحُورَ فَيَنْفَازُ الْحُمُرُ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ

(مسلم، کتاب الفتن و الاشرار، باب الساعة، باب ذكر الدجال)

”..... اسی وقت اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو نازل فرمائے گا۔ وہ زرد جوڑا پہنے فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے دمشق کے مشرق میں مینارۃ البیضاء (یعنی سفید مینار) کے قریب اتریں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو پسینہ بہے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح بوندیں بہیں گی۔ جس کافر کے پاس عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اس کو ان کے دم کی بھاپ لگے گی اور وہ مر جائے گا۔ ان کے دم کا اثر وہاں تک پہنچے گا جہاں تک ان کی نگاہ جائے گی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام دجال کو ڈھونڈیں گے اور اسے پالیں گے اور باپ لُذ پر اسے قتل کر دیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ایک پاک ہوا بھیجے گا کہ ان کی بظلوں کے نیچے لگے گی اور اثر کر جائے گی تو ہر مومن اور مسلم کی روح قبض کر لے گی اور صرف بدترین انسان ہی رہ جائیں گے، وہ آپس میں گدھوں کی طرح لڑیں گے ان پر قیامت قائم ہوگی۔“

## قتلہ دجال

حدیث میں آتا ہے کہ اصفہان (ایران) کے ستر ہزار یہودی دجال کے



ساتھ ہوں گے:

اس بن مالک رحمہ اللہ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وَأَنَّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ كَافِرٌ (بخاری: ایضاً)

”اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا“

دوسری روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ

الدَّجَالُ مُنْشُوخُ الْعَيْنِ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ ثُمَّ تَفْجَأُهَا

ک-ف-ر- یقْزَأُ كُلُّ مُسْلِمٍ

(مسلم: کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب ذکر الدجال)

”دجال کی ایک آنکھ اندھی ہے، اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا

ہے۔ پھر (آپ نے) اس کے بچے کیے: ک-ف-ر- (اور بتایا کہ) ہر

مسلم اسے پڑھ لے گا۔“

## تیس جھوٹے دجال

نبی ﷺ نے اپنی امت میں تیس (۳۰) جھوٹے نبیوں کی پیشینگوئی فرمائی

اور انہیں بھی دجال قرار دیا جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِّنْ ثَلَاثِينَ

كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ زُحْرُورُ اللَّهِ

(بخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام)

”قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال پیدا ہوں

گے: ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔“

لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اصلی دجال وہی ہے جس کی نبی ﷺ نے یہ نشانی

بتلائی کہ وہ کانا ہوگا۔ نیز ان تیس دجالوں میں سے قیامت سے پہلے کسی بھی وقت

اور دنیا کے کسی بھی علاقے میں یعنی پاکستان، ہندوستان اور ایران وغیرہ میں کوئی

ایک یا اس سے زیادہ بھی جنم لے سکتے ہیں۔ لیکن اصلی دجال عراق اور شام کے

درمیان ہی کسی علاقے سے ظاہر ہوگا۔

## بشارت عظمیٰ

نافع بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

تَغْزُونَ بَحْرِيَّةَ الْعَرَبِ فَيُفْتَحُهَا اللَّهُ ثُمَّ فَارِسٌ فَيُفْتَحُهَا اللَّهُ ثُمَّ

تَغْزُونَ الرُّومَ فَيُفْتَحُهَا اللَّهُ ثُمَّ تَغْزُونَ الدَّجَالَ فَيُفْتَحُهَا اللَّهُ

(مسلم: کتاب الفتن و اشراط الساعة باب ما يكون من فتوحات المسلمين قبل الدجال)

”تم جزیرۃ العرب میں جہاد کرو گے پس اللہ اسے فتح کر دے گا۔ پھر فارس

(یعنی موجودہ ایران) سے جہاد کرو گے اللہ اسے بھی فتح کر دے گا۔ پھر حرم

يُشِيعُ الدَّجَالَ مِنْ يَهُودِ اخْيَيْنَ سَبْعُونَ أَلْفًا عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ السَّيِّئُ

(مسلم: کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب في بقاء أحداث الدجال)

”دجال کے ساتھ ہو گئے اسمٰئیل کے ستر ہزار یہودی اپنی سیاہ چادریں

اوڑھے ہوئے۔“

روح الطبیعہ سے لے کر اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ تک ہر نبی نے اپنی

اپنی قوم کو دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے۔ دجال کا فتنہ انتہائی شدید ہے، اتنا

شدید کہ نبی ﷺ نے قبر کی آزمائش (عذاب قبر) کی مثال فتنہ دجال سے دی۔

نبی ﷺ صلوٰۃ میں اس سے پناہ مانگتے تھے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

روایت ہے:

كَانَ يَسْتَعِينُنِي فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ

(بخاری: کتاب الفتن، باب ذکر الدجال)

”آپ اپنی صلوٰۃ میں دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔“

حدیث میں آپ ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ ملتے ہیں:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ

الْمَسِيحِ الدَّجَالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَ فِتْنَةِ

الْمَمَاتِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ

(بخاری: کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء قبل السلام)

”اے اللہ میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں: اور اے اللہ میں مسیح

دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے اللہ میں مخیہ اور مرنے

کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں: اور اے اللہ میں مالداری اور محتاجی کے

فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

## دجال کی نشانی

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ لوگوں

کو خطبہ سنانے کے لیے کھڑے ہوئے، پہلے تو اللہ کی حمد کی جیسی کرنی چاہیے، پھر

دجال کا ذکر کیا اور فرمایا:

إِنِّي لَأُنْذِرُكُمْوهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَهُ قَوْمُهُ، وَلَكِنِّي

سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ: إِنَّهُ أَعْوَزُ، وَإِنَّ اللَّهَ

لَيْسَ بِأَعْوَزَ (بخاری: کتاب الفتن، باب ذكر الدجال)

”میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے

لیکن میں تمہیں ایک بات بتلاتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں بتلائی کہ وہ کانا ہوگا۔

اور تمہارا رب کانا نہیں ہے۔“



کے ذریعے پھیلائی ہے۔ اس سلسلے میں قادیانیوں اور منکرین قرآن و حدیث کی شرانگیزیوں ملاحظہ فرمائیے:

## کتاب اللہ کے انکار پر مبنی دلائل

قادیانیوں اور منکرین حدیث نے لفظ "توفی" کی بڑی بحثیں بیان کی ہیں اور اسی بات پر زور دیا ہے کہ یہاں توفی بمعنی "موت" ہے۔ اس سلسلے میں اگر یہاں ان کے حوالہ جات پیش کیے جائیں تو ایک انبار لگ جائے گا۔ لہذا ہم طوالت سے بچتے ہوئے ان سب سے صرف ایک ہی سوال کرتے ہیں کہ پورے قرآن میں کہیں بھی یہ قانون دکھا دو کہ جب "قبض روح" کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، وہاں "موت" کا کوئی تصور بھی ملتا ہو؟ منکر قرآن و حدیث محمد ہادی نے خود لکھا ہے:

"قرآن حکیم میں لفظ "توفی" موت کے معنی میں 24 بار اور نیند کے معنوں میں 2 بار استعمال ہوا ہے۔ اور جہاں بھی نیند کے معنوں میں استعمال ہوا ہے وہاں کوئی قرینہ ہوتا ہے"۔ (عقیدہ خاتم النبیین: صفحہ ۹۰، ۹۱، ۹۲)

یہی بات ہم نے بھی گزشتہ سطور میں تفصیلاً بیان کی ہے کہ جب بھی نیند کے لیے قبض روح کا بیان آیا ہے، وہاں خود اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے: "وہاں نہ روح جسم سے نکالنے کا کوئی عقیدہ ملتا ہے اور نہ ہی روح کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جانے کا، یعنی "موت" کا کوئی قرینہ وہاں نہیں ملتا۔ یہ قبض روح بالجسم ہے یعنی "پورا پورا قبضے میں لے لیا جاتا ہے"۔ ہادی صاحب نے بھی یہی قرینہ بیان کیا ہے نیند کے لیے روح قبض کرنے کا، پھر آگے لکھا ہے:

"یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آجائے (آیت ۶۱) یہاں دیکھئے موت کیا چیز ہے؟ مذکورہ بالا آیت ہی میں اس کی وضاحت یوں آئی ہے ہمارے پیچھے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کی نہیں کرتے۔ تو بات واضح ہو گئی کہ موت میں پوری روح قبض کی جاتی ہے اور مادہ (وفی) ہی سے اس کا تعلق برقرار رہا یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ عربی لغت کا قاعدہ ہے کہ شاذ معنی کو چھوڑ کر مشہور معروف معنی لیا جائے تو (الْمُتَوَكِّلُ) کا معروف اصطلاحی معنی (میں تجھے وفات دینے والا ہوں) بذات ہے اب یہ کہاں کا انصاف ہے کہ قرآن کا حقیقی و اصطلاحی معنی چھوڑ کر (الْمُتَوَكِّلُ) میں تجھے وفات دینے والا ہوں، کو غیر قرآنی الفاظ (الْمُتَوَكِّلُ) میں تجھے پورا لینے والا ہوں، میں بدل دیا جائے بقول کسے "خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں"۔ (ایضاً: صفحہ ۳۱)

روم پر حملہ کرو گے اللہ اسے بھی فتح کر دے گا۔ پھر تم دجال سے لڑو گے اللہ اسے بھی فتح کر دے گا"۔

نبی ﷺ کی اس حدیث میں جو بشارت عظمیٰ ہے، اس پر بھی ایمان ہونا چاہیے۔ یعنی یہ یقین کہ جس طرح جزیرۃ العرب فتح ہوا، قارس اور روم مغلوب ہوئے اور قیصر و کسریٰ کا خاتمہ ہوا، اسی طرح قوم یہود کا آخری تاجدار کا نادر دجال بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ اور یوں دنیا فتنہ و دجال اور یہود کے شر سے امان پائے گی، انشاء اللہ۔

## شجر و حجر پکارا نہیں گے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى يُخْتَبِىَ الْيَهُودِيُّ مِنَ وَرَاءِ الْحَجَرِ أَوْ الشَّجَرِ فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوْ الشَّجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللَّهِ هَذَا يَهُودِيٌّ خَلَفَنِي فَاتَّخِذْهُ إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ (مسلم: کتاب الفتن و اشراط الساعة باب لا تقوم الساعة حتى يجرى رجل قبضى ان يكون مكان الميت من الاء)

"قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے جنگ کریں گے اور انہیں قتل کریں گے: یہاں تک کہ یہودی کسی پتھر یا درخت کی آڑ میں چھپے گا تو وہ درخت یا پتھر پکاراٹھے گا: اے مسلم! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہے، ادھر آ اسے قتل کر۔ مگر غرقہ کا درخت نہ بولے گا کیونکہ وہ یہود کا درخت ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا اشارہ قرآن مجید میں کیا تھا ان کی وضاحت نبی ﷺ پر وحی کے ذریعے فرمادی۔ قرآن میں بتایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں اور حدیث رسول ﷺ کے ذریعے بتا دیا گیا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ نازل ہو جائیں یا دوسری روایت کے مطابق یہ نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں اور ان میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ایک نشانی بتائی۔ قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی طرف اشارہ کیا گیا اور وحی کے ذریعے نبی ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ اس وقت ہوگا جب قرب قیامت ایک ہوا چلے گی اور تمام مومنین و مسلمین کو موت آجائے گی۔

تف ہے ایسے لوگوں پر جنہوں نے قرآن و حدیث کے واضح بیان کو پس پشت ڈال کر خود بھی گمراہی اختیار کی اور نہ جانے کتنوں کو جہنم کا ایندھن بنایا! قارئین! قرآن و حدیث سے عیسیٰ علیہ السلام کا قبض روح، رفع و نزول جنت کرنے کے بعد اب اس خباثت کا ذکر کرتے ہیں جو شیطان نے ان لوگوں



نہند کے لیے قبض کی جانے والی روح کے بارے میں موصوف نے کہا تھا کہ وہاں کوئی قرینہ ہوتا ہے، اب ان کا دوسرا بیان بھی آپ کے سامنے ہے کہ موت کے وقت روح فرشتے قبض کرتے ہیں۔ پھر اس کی وضاحت بھی ان الفاظ میں کر دی کہ ”توبات واضح ہوگئی کہ موت میں پوری روح قبض کی جاتی ہے۔“ گویا اللہ کے مقرر کردہ قانون سے یہ جناب پوری طرح واقف ہیں؛ لیکن پھر بھی یہی فرماتے ہیں کہ ”(لَا يَتَمَسَّكُ بِشَيْءٍ) کا معروف اصطلاحی معنی (میں تجھے وفات دینے والا ہوں) بنتا ہے۔“ علامہ صاحب! ذرا غور کرو کہ یہاں روح قبض کرنے والے فرشتوں کا تو کوئی ذکر ہی نہیں! خود قرآن کو بدل رہے ہو اور دوسروں کو الزام دیتے ہو کہ ”خود بدلے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔“ ایس جہ ہوالعجبی است؟

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن میں ان قادیانیوں اور ان کے حواری منکرین حدیث نے آیات قرآنی کو من پسند معنی پہنا کر اپنے باطل عقائد کو ثابت کرنے کی سعی نامراد کی ہے۔

### آیت قَدْ خَلَقْتَ سے عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو ثابت کرنا

قرآن کو بدلنے کی اپنی اسی مذموم کوشش میں اور آگے بڑھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”(۱) صحابہ کرام کا اجماع: جیسا کہ بخاری و مسلم سے ثابت ہے کہ وفاة النبی ﷺ پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے تو قرآن کی آیت ”وَمَا تَخَافُ إِلَّا نَسْوًا قَدْ خَلَقْتَ مِنْ تَهَيُّوَالْمُؤْمِنِينَ“ میں آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات پر بھی اجماع ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۲۸)

صفحہ نمبر ۲۰ پر اسی سلسلے میں مزید دلائل دیے:

”تفسیر المنار میں اسکی وضاحت یوں آئی ہے۔ و حاصل المعنی ان محمد لیس الا بشر..... علی اعقابکم، (ترجمہ) ”مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ تو ایک بشر ہیں رسول ہیں۔ آپ سے پہلے رسول گزر چکے ہیں یعنی وفات پا چکے ہیں اور بعض نبی جیسے ذکر یا ونجی علیہم السلام قتل کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی کے لئے نہجی..... پس آپ وفات پا جائیں جیسے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام سرگئے ہیں یا قتل کئے جائیں جیسا کہ ذکر یا ونجی علیہما السلام قتل کئے گئے، کیا تم دین اسلام سے ایذیوں کے بل پھر جاؤ گے.....“ نیز تفسیر بیضاوی میں بھی آیا ہے: فسیخلو کما خلوا بالموت او

القتل (تفسیر بیضاوی ص 91)

پس آپ ﷺ بھی دنیا سے ایسے گزریں گے جیسا کہ آپ سے پہلے

انبیاء علیہم السلام طبی موت یا قتل کے ذریعے گزرے ہیں۔ دیکھیے انسانوں اور جنات کے لئے ”قَدْ خَلَقْتَ“ آیا ہے۔ یہاں دنیا سے ہو کر گزرنا موت کے معنی میں ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۲۰)

کیا یہی اچھا ہوتا کہ تفسیر بیضاوی کے ساتھ ساتھ موصوف قادیانیوں کی ان کتابوں کا بھی حوالہ دے دیتے جہاں سے انہوں نے یہ عقیدہ چرا لیا ہے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے کیونکہ اس طرح جناب کے پیروکاروں پر یہ حقیقت بالکل ہی آشکارا ہو جاتی کہ یہ سارے عقائد کہاں سے رہے ہیں اور ہمارا یہ رہبر ہمیں کس طرف لے جا رہا ہے؟ بہر حال قارئین! قادیانیوں کی کتابیں اس طرز استدلال سے بھری پڑی ہیں۔ ہم ان تمام کتب کا حوالہ تو سر دست نہیں دے رہے تاہم علامہ موصوف کے ہم نواؤں کے سامنے ایک حوالہ ضرور پیش کر دیتے ہیں:

احمدی خلیفہ دوم مرزا بشیر ”دعوة الامیر“ میں لکھتا ہے:

”اس روایت سے تین امور ثابت ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ رسول کریم ﷺ کی وفات پر سب سے پہلے صحابہ کا اجماع امت اس پر امر ہوا تھا کہ آپ سے پہلے سب انبیاء فوت ہو چکے ہیں، کیونکہ اگر صحابہ میں سے کسی کو بھی یہ شک ہوتا کہ بعض نبی فوت نہیں ہوئے تو کیا ان میں سے بعض اسی وقت کھڑے نہ ہو جاتے کہ آپ آیات سے جو استدلال کر رہے ہیں یہ درست نہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو چھ سو سال سے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ پس یہ غلط ہے کہ نبی ﷺ سے پہلے سب نبی فوت ہو چکے ہیں اور جب کہ ان میں سے بعض زندہ ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ نہ رہ سکیں۔ دوم یہ کہ..... پس صدیق اکبر کا آیت قَدْ خَلَقْتَ مِنْ تَهَيُّوَالْمُؤْمِنِينَ سے توجع انبیائے سابقین کی وفات کا ثبوت نکالنا اور کل صحابہ کا نہ صرف اس پر خاموش رہنا بلکہ اس استدلال سے لذت اٹھانا اور گلیوں اور بازاروں میں اس کو پڑھتے پھر اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ سب اس استدلال سے متعلق تھے۔

تیسرا امر اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواہ کسی اور نبی کی وفات کا ان کو یقین تھا یا نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انہیں یقین کوئی علم نہ تھا، کیونکہ جیسا کہ تمام صحیح احادیث اور معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جوش کی حالت میں تھے اور باقی صحابہ سے کہہ رہے تھے کہ جو کہے گا کہ رسول کریم ﷺ فوت ہو گئے ہیں میں اس کا سرازا دوں گا۔ اس وقت اپنے خیال کے ثبوت میں حضرت موسیٰ کے چالیس دن پہاڑ پر چلے جانے کا واقعہ تو وہ پیش کرتے تھے مگر حضرت عیسیٰ کے آسمان پر چلے جانے کا واقعہ انہوں نے ایک مرتبہ بھی پیش نہیں کیا..... ان کا حضرت موسیٰ کے واقعے سے







بھی استثناء کا ہونا ایک امر مسلمہ ہے اور قرآن میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں چنانچہ انسان کی پیدائش کے بارے میں بتایا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ (الحجرات: ۱۴)

”اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔“

یہ قانون سارے انسانوں کے لیے بیان کیا گیا ہے اور کوئی استثناء نہیں لیکن سورہ آل عمران کی آیت کے ذریعے ابوالبشر آدم علیہ السلام کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (آل عمران: ۵۹)

”اللہ کے نزدیک (بن باپ کے پیدا ہونے والے) عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) کی

مثال آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے جنہیں اس نے مٹی سے بنایا پھر اسے حکم دیا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔“

قرآن کے اس بیان نے واضح کر دیا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش قانون عام سے ہٹ کر ہے، یعنی یہ ایک استثنائی معاملہ ہے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بھی اسی مذکورہ استثنائی صورت کی مثال کہا گیا۔ اس کے لیے یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہم نے اسے قانون عام سے ہٹ کر پیدا فرمایا ہے بلکہ اللہ کا بیان ہی اس معاملے کو قانون عام سے مستثنیٰ قرار دے رہا ہے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لِمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ أَنْتُمُ الْيُسُفُونَ  
ابْنُ مَرْيَمَ وَجِنًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنْ الْمُقَرَّبِينَ ۖ وَكَلِمَةً تَكُونُ فِي الْمُهْلِكِ  
وَكَلِمَةً تَكُونُ فِي الْغُلُوبِ ۖ قَالَتْ رَبِّ أَنْزِلْ عَلَيَّ مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ تَقُولُ  
قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَتْلِي مَائِدَتَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا ۚ فَلَمَّا يَقُولُ لَكُنْ فَيَكُونُ

(آل عمران: ۳۵-۳۷)

”اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم بے شک اللہ تم کو اپنی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے اس کا نام عیسیٰ ابن مریم ہے دنیا اور آخرت میں وہ عزت دار ہے اور نیکو کاروں میں سے ہے۔ مریم نے عرض کیا: اے رب میرا بچہ کیونکر ہوگا، مجھے تو کسی بشر نے چھوا تک نہیں۔ فرمایا اسی طرح (ہوگا): اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس سے صرف اتنا کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔“

فرشتوں کا مریم صدیقہ کو عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دینا اور عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ باپ کی بجائے ماں کی کنیت استعمال کرنا، مریم صدیقہ کا اپنی پاکدامنی کے اظہار کے لیے یہ کہنا کہ مجھے تو کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، فرشتے کا یہ کہنا کہ اسی طرح پیدا ہوگا کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جب وہ

کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ اس سارے بیان میں اس بات کا قرینہ پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے عام قانون سے مستثنیٰ کر دیا اور آپ کو محض اپنی قدرت کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا کیا۔ پھر اس سے اگلی آیت میں واضح کر دیا گیا کہ:

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُتَكِبِينَ (آل عمران: ۶۰)

”حق تمہارے رب کی طرف سے واضح ہو گیا پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔“

قارئین! استثناء کی یہ تفصیل بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کی مکمل وضاحت ہو جائے کہ رب تعالیٰ نعوذ باللہ اس بات کا پابند نہیں ہے کہ تمام امور اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق ہی کرے۔ لیکن قرآن میں بیان کردہ قانون عام اور حکم عام سے ہٹ کر کوئی بھی عمل اسی وقت استثناء مانا جائے گا جبکہ اس کی وضاحت قرآن میں ملے گی۔

اب ہم آتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلے کی طرف۔ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی ابتداء ہی قانون عام سے ہٹ کر ایک مکمل استثنائی کیفیت میں ہوئی۔ بغیر باپ کے وہ پیدا کیے گئے، گوارے میں کلام کیا، اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ، کوڑھیوں اور اندھوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونکتے تھے تو اللہ کے حکم سے وہ زندہ پرندہ بن جاتا تھا۔ یہ سارے معجزات تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے تھے۔ جب یہود نے ان کے قتل کی سازشیں کیں تو اس مالک نے انہیں ان کی چالوں سے بچایا اور ان کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔ یہ بھی ایک استثنائی امر ہے، اس کو عام قانون کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے رد کرنے کی کوشش کرنا جہالت و نادانی ہے۔ ان کو موت نہیں آئی بلکہ قرآن نے اشارہ دے دیا کہ ان کی موت مستقبل میں واقع ہوگی۔ لہذا جب عیسیٰ علیہ السلام کے لیے قَتْلُ خَلَقَتْ کا لفظ استعمال ہوگا تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ دفع کے ذریعے اس دنیا سے چلے گئے۔

اب ہم آتے ہیں قادیانیوں کی اس افتراء پر داری کی طرف کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس قسم کا کوئی گمان ہی نہ تھا کہ وہ زندہ آسمانوں پر اٹھا لیے گئے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ قرآن کی یہ آیات اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث جن کو آج انہوں نے تختہ مشق بنا رکھا ہے، ان تک کیسے پہنچیں؟ یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ہیں جن کے ذریعے قرآن کی آیات اور احادیث ہم تک پہنچی ہیں۔ یہ لوگ کیا گمان کرتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق؟ کیا ان کا مشن صرف اور صرف یہ تھا کہ یہ باتیں آگے بڑھا دیں، اس



بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ اور میں اس وقت تک ان کا گمراہ رہا جب تک کہ ان کے درمیان رہا، جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر گمراہ تھا، اور تو تو ہر چیز پر گمراہ ہے۔“

اس آیت میں تَوَفِّيْتَنِي کے الفاظ کا ترجمہ ان دونوں گروہوں نے ”وفات“ ہی کیا ہے اور اس کی کچھ بحث پچھلے صفحات میں ہو چکی ہے۔ آیت کی تشریح میں ہادی صاحب نے لکھا ہے:

”بات یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے۔ کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ الہ بناؤ۔ یہ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد عیسائیوں نے یہ شرکیہ عقیدہ بنا لیا تھا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت محمد ﷺ سے پہلے تھی تو یہ عیسیٰ علیہ السلام سے اسکی امت کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اس بات کی نفی کریں گے کہ میں نے یہ شرکیہ بات نہیں کہا ہے۔ اب حقیقت کو ان کے سامنے لائیں گے۔ فرمائیں گے مَا قُلْتُمْ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ میں نے ان کو نہیں کبھی مگر وہ بات کہ جس کا آپ نے حکم دیا ہے۔ اب ذرا غور کریں عیسیٰ علیہ السلام اپنے دور رسالت کی بات کر رہے ہیں کیونکہ اللہ نے آپ کو نبی اسرائیل کے لئے رسول بنا کر بھیجا تھا اور ان کو دعوت دی۔“

(عقیدہ خاتم النبیین، صفحہ ۳۲-۳۳)

پھر صفحہ ۳۲ پر لکھا:

”تو قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ وفات پا گئے ہیں۔ اس لئے قیامت کے دن اپنی امت کے حالات سے لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ اگر آپ نے دوبارہ آنا ہوتا تو قرآن کے ذریعے لوگوں کے حالات دیکھ کر آپ کو علم ہوتا کہ واقعی ان لوگوں نے مجھے الہ بنایا ہے۔ پھر آپ یوں جواب دیتے کہ جب میں آسمان پر زندہ تھا تو میں بے خبر تھا۔ جب آپ نے اتارا تو مجھے پتہ چلا کہ واقعی انہوں نے مجھے تیرا بیٹا بنایا تھا لیکن پھر دوبارہ نزول کے بعد کے لوگ مجھ پر ایمان لائے۔“

احمدی قلم کار اس بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

”اگر بالفرض مان لیا جائے کہ مسیحؑ اب تک آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں قیامت سے پہلے زمین پر نازل ہوں گے تو لامحالہ وہ سب عیسائیوں کا شرک اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اپنی امت کے بگاڑ سے پورے واقف ہو جائیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری امت مجھ کو خدا بناتا ہی ہے۔ تو اس وقت میں وہ کس طرح اپنی تاواقیف کا اظہار کر سکتے

کے مطابق عقیدہ نہ بنائیں، اس پر عمل نہ کریں! کیا انہوں نے قرآن کی آیات نہیں پڑھ رکھی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا ہے، ہر اہل کتاب انکی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا، وہ قیامت کی نشانی ہیں؟\* کیا نزول عیسیٰ علیہ السلام کی روایات بیان کرنے والے ابو ہریرہ، حذیفہ بن اسید غفاری، نو اس بن سمان، عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم اس اجماع میں موجود نہ تھے؟ یہ اجماع تو خالصتاً وفات رسول ﷺ پر تھا۔ موصوف کا یہ گمان اور استدلال کہ قَدْ خَلَّتْ سے مراد سارے انبیاء کی بلا استثنا موت ہے، ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے اور یہ محض اپنے خیالی نبی کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو قرآن وحدیث کے مطالب معانی کا علم وفہم رکھنے والے تھے۔ ان کے درمیان وقتی طور پر بھی جو مسئلہ اٹھا وہ اسی بنیاد پر حل ہوا اور ان کا اجماع ہو گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے درمیان اس طرح کا کوئی مسئلہ اٹھا ہی نہیں۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي والی آیت سے موت ثابت کرنا

ان دونوں گمراہ گروہوں نے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱ کو عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر دلیل بنایا ہے۔ آئیے دیکھیں کہ یہاں انہوں نے کیا گل کھلایا ہے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مَا أَنْتَ قَدْ كَلَّمْتُكَ لَيْسَ أَقْبَعُ مِنْ ذِي الْقُرْآنِ  
مَنْ دُونَ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِشَيْءٍ إِنْ كُنْتُ عَلِيمًا  
فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعَلَّمَ مَا فِي نَفْسِهِ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ  
مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ  
وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ  
وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (المائدہ: ۱۱)

”اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی الہ بنا لو؟ (عیسیٰ علیہ السلام) جواب دیں گے: پاک ہے تو! میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہ تھا۔ اگر میں نے ان سے یہ بات کہی ہوتی تو تیرے علم میں ضرور ہوتا۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے، تو تو مجھ پر ہوئی باتوں کا (بھی) زبردست جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے وہی بات کہی ہے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب

\* گزشتہ صفحات میں بیان کردہ بحاری کتاب التفسیر کی نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق روایت بیان کر کے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بطور استدلال سورۃ النساء کی آیت پر حنا ثابت کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رفع نزول عیسیٰ کا ہی عقیدہ رکھتے تھے جو انہیں نبی ﷺ نے دیا تھا۔



ہیں۔ یقیناً مسیح کی طرف سے نعوذ باللہ یہ ایک غلط بیانی ہوگی اگر وہ باوجود

رکھنے کے پھر لاطینی کا اظہار کریں۔“ (حضرت مسیح مہدی کا وصال، صفحہ ۱۰)

ملاحظہ فرمایا آپ نے! کس انداز سے دونوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ ان دونوں کا استاد ایک ہی ہے۔ وہی ان کے نفس میں وسوسے ڈالتا ہے، اسی کی زبان یہ بولتے اور اسی کے قلم سے یہ لکھتے ہیں۔ دونوں نے قرآن کی آیت کا مفہوم ہی بدل ڈالا۔ ویسے لگتا ہے کہ مفہوم قادیانیوں نے ہی بدلا ہے علامہ بادی صاحب تو صرف ان کی نقالی فرما رہے ہیں۔ الغرض یہ وہ مفہوم بالکل نہیں ہے جو قرآن کی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

ہر نبی سے صرف اس کی اپنی امت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ سوال آپ کی ہی امت کے بارے میں کیا جائے گا۔ لیکن جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں وہ اس آیت کا مفہوم ہرگز نہیں، یہ تو ان کی مولویانہ چالاکी ہے کہ اس کا مفہوم کیا سے کیا کر ڈالا! اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال کرے گا کہ اے عیسیٰ! کیا انسانوں کو یہ عقیدہ تم نے دیا تھا کہ میرے ساتھ ساتھ تم اور تمہاری والدہ بھی اللہ ہیں؟ عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے: مالک میں وہ بات کیسے کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا، اگر ایسی کوئی بات میں نے کہی ہوتی تو مالک تجھے ضرور معلوم ہوتا۔ مالک! کہنا تو دور کی بات اگر یہ بات میرے دل میں بھی ہوتی تو تجھے ضرور علم ہوتا کیونکہ تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے لیکن میرے پاس ایسا کوئی علم نہیں کہ تیرے دل کی بات کو جانوں۔ میں نے تو صرف تیری بندگی کی دعوت دی تھی، ان کو بتایا تھا کہ وہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ میں جب تک ان کے درمیان تھا تو ان کی مگرانی کرتا رہا کہ ان میں کوئی غلط عقیدہ نہ آجائے اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو مالک تو ہی ان پر نگران تھا، تو ہی دیکھ رہا تھا کہ کیا کیا شرکیہ عقائد ان میں پیدا ہو رہے تھے! مالک تجھ سے تو کوئی بات چھپی رہ ہی نہیں سکتی۔ اللہ یہ نہیں پوچھ رہا کہ تمہارے علم میں ہے یا نہیں؟ اللہ تو صرف یہ پوچھ رہا ہے کہ کیا تم نے ان سے کہا تھا؟ لیکن کس طرح قرآن کی آیت کو اپنے مقصد کی بھیجٹ چڑھایا گیا اور بڑے طنز یہ انداز میں لکھا:

”جب میں آسمان پر زندہ تھا تو میں بے خبر تھا۔ جب آپ نے اتارا تو مجھے

پتہ چلا کہ واقعی انہوں نے مجھے تیرا بیٹا بنایا تھا“

اور جہاں سے ان علامہ موصوف نے اسے جرایا تھا انہوں نے لکھا:

”یقیناً مسیح کی طرف سے نعوذ باللہ یہ ایک غلط بیانی ہوگی اگر وہ باوجود علم

رکھنے کے پھر لاطینی کا اظہار کریں۔“

کیا اسی کو قرآن پر ایمان کہتے ہیں!

محمد بادی نے اسی ضمن میں سورہ یونس کی آیت کا حوالہ بھی دیا ہے:

وَيَوْمَ نَخْتِمُ عَنْهُمْ جَنَّةَهُمْ نَخْلَوْنَ لَكُلِّ شَيْءٍ عَذَابًا وَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَلَا تَكُنْ لِلْكَافِرِينَ حَافِظًا  
يَوْمَ نَخْلَوْنَ لَكُلِّ شَيْءٍ عَذَابًا وَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَلَا تَكُنْ لِلْكَافِرِينَ حَافِظًا  
يَوْمَ نَخْلَوْنَ لَكُلِّ شَيْءٍ عَذَابًا وَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَلَا تَكُنْ لِلْكَافِرِينَ حَافِظًا  
(یونس ۲۸)

”اور قیامت کے دن ان سب کو ایک ساتھ جمع کریں گے، پھر ہم ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا تھا، کہیں گے تمہارا جہنم! تم اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی۔ پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔ پھر ان کے تمہارے ہوئے شریک کہیں گے تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے کہ ہمیں تمہاری عبادت کا کوئی علم نہ تھا۔“

موصوف نے جو اپنی اس کتاب میں قادیانیوں کی وکالت کرتے ہوئے یہ دلیل دی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں، اس قسم کی دلیلیں قادیانی تو ایک عرصہ سے دیتے چلے آ رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

”لہذا اس آیت کی رو سے جہاں سب بزرگ جن کو خدا کی کا درجہ دیا گیا وفات یافتہ ثابت ہوتے ہیں وہاں حضرت مسیح پہلے نمبر پر وفات یافتہ ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ جتنی پوجا ان کی گئی کسی دوسرے انسان کی نہیں کی گئی لہذا وہ لکھنؤ علیہ السلام میں پہلے نمبر پر داخل ہیں۔“

(حضرت مسیح مہدی کا وصال، صفحہ ۶)

یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر سورہ یونس کی درج بالا آیت میں کیا گیا ہے؟ وہی نام جن کے متعلق اللہ کی کتاب آموات علیہم السلام و ما یستعذرون آیتان یبعثون کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔ لیکن یہی کتاب بَلْ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کہہ کر آموات علیہم السلام سے عیسیٰ علیہ السلام کا استثناء بیان کرتی ہے۔ ان کا یہ استثناء بھی نزول کے بعد ان کی موت واقع ہو جانے پر ختم ہو جائے گا۔

سورہ یونس کی مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے عام انداز میں بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب سب کو جمع کیا جائے گا تو وہ لوگ جن کی بندگی کی گئی تھی، یعنی جن کے نام کی تذکرہ و نیاز کی گئی تھی، جن کی قبروں پر جا کر لوگوں نے دعائیں کی تھیں، جن کو عافیتانہ مدد کے لیے پکارا تھا، الغرض کہ جن جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا گیا تھا، ان لوگوں سے جنہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا، کہیں گے یہ جو کچھ تم نے کیا ہے یہ ہماری عبادت نہیں تھی، اللہ گواہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ تم ہمارے ساتھ یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ لیکن یہ دلیل دینا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرز عام کے مطابق جواب دیں گے، قرآن وحدیث کے مطابق نہیں بلکہ اس میں اضافے کے مترادف ہے! عیسیٰ علیہ السلام کیا جواب دیں گے، یہ اللہ ہی جانتا



ہے۔ اس بارے میں جب کتاب اللہ میں کوئی بات بیان ہی نہیں کی گئی تو اپنی طرف سے عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی جواب گھر لینا، بڑی افتراء پر داندی بلکہ کھلی شیطانیت ہے!

**الْخُلْدُ** والی آیت سے موت کا ثبوت دینا

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ يَنْتَظِرُونَ

(الانبیاء: ۲۳)

”اے نبی بھٹکی تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کے لیے نہیں رکھی، اگر

تمہیں موت آگئی تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟“

قادیانیوں نے اس کا ترجمہ اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے اس طرح کیا ہے:

”اور ہم نے تمھ سے پہلے اے محمد کسی انسان کو خلود یعنی غیر طبعی زندگی نہیں دی

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو فوت ہو جائے اور وہ زندہ رہیں۔“

ترجمے کے بعد لکھا ہے:

”دیکھو اللہ تعالیٰ کس قدر غیرت سے فرماتا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ تو جو نفع

لنفس ہے دنیا سے رحلت کر جائے اور تمھ سے پہلے کا کوئی انسان زندہ ہو پس

ثابت ہوا حضرت مسیح تمام انسانوں کی طرح آنحضرتؐ سے پہلے گذرے

وقات پاگئے۔“ (حضرت مسیح عیسیٰ کا وصال، صفحہ ۷)

اسی عقیدے کو ہادی صاحب نے لے لیا اور لکھا:

”آپ سے پہلے ہم نے کسی بھی انسان کو بھٹکی نہیں دی پس اگر آپ وفات

پا جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کلّ نفیس ذالک المونہ ہر نفس کو موت کا

ذائقہ چکھنا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں مشرکین مکہ کا اعتراض کا جواب دیا جاتا

ہے کہ آپ کے مرنے پر یہ کیوں خوش ہوتے ہیں آپ سے پہلے جتنے بھی

انسان گزرے ہیں کیا ان میں سے کوئی ہمیشہ رہا ہے (یعنی موت سے نہیں

بچا۔) پس اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ (یعنی یہ

موت سے بچیں گے؟) نہیں یہ بھی نہیں بچ سکتے (کیونکہ ہر ایک کو موت کا مزہ

چکھنا ہے۔ مندرجہ بالا آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی

موت سے نہیں بچے۔“ (عقیدہ خاتم النبیین، صفحہ ۴۲)

قادیانیوں نے آیت کے ترجمے اور تشریح میں ایک خاص مفہوم پیدا کرنے کے

لیے کیسی سمجھ تان اور چرب زبانی سے کام لیا۔ اس آیت میں مرکزی نکتہ **الْخُلْدُ**

ہے جس کے معنی ہیں ”بھٹکی، دوام“، اور سارا زور اسی کی نفی پر ہے۔ آیت کا

سیدھا سادھا مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی انسان کو بھٹکی نہیں دی گئی۔ اس آیت سے

استدلال تو اس صورت میں روا تھا کہ جب کوئی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ”الْخُلْدُ“

کا موقف اپناتا۔ کتاب اللہ نے کہیں بھی ان کے لیے **الْخُلْدُ** نہیں کہا بلکہ یہی بتایا

کہ انہیں بھی موت آئے گی۔ یہ لوگ جان بوجھ کر بے لگی بحث چھیڑتے ہیں تاکہ

رفع و نزول کے معروف عقیدے کو مشکوک بنادیں اور عوام الناس میں ان کے

اٹھائے ہوئے شوشوں کو کچھ پڑرائی مل جائے۔

**يُعِزِّي رَأْفِ مُتَوَقِّفِكَ** سے استدلال

إِنَّمَا لِلَّهِ يُعِزِّي رَأْفِ مُتَوَقِّفِكَ وَكَأَفْعَلِكَ لَأَنِّي (آل عمران: ۵۵)

قادیانی لوگ اپنے خصوصی عقیدے کے اظہار کے لیے اس کا ترجمہ اس طرح

کرتے ہیں:

”اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دوں گا اور تجھے اپنی طرف

اٹھاؤں گا اور تجھے پاک کروں گا ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا اور تیرے

قبیلین کو قیامت تک تیرے منکرین پر غالب رکھوں گا۔“

”اور ابن عباس نے کہا کہ **مُتَوَقِّفِكَ** کے معنی صمٹک ہیں یعنی میں تجھے

وقات دوں گا۔“ (بخاری: کتاب التفسیر باب ما جعل الله من بحيرة)

(حضرت مسیح عیسیٰ کا وصال، صفحہ ۷۔ ۸)

نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

”تم بنی اسرائیل کی بیرونی کرو گے بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ“

(بخاری: کتاب الاعتصام بالکتاب و سنتہما لمن معن من کان قبلکم)

لہذا ہادی صاحب نے اس کا حق ادا کیا ہے۔ اس سے قبل بھی موصوف کے پیش

کردہ دلائل آپ کے سامنے آچکے ہیں کہ کس طرح قادیانیوں کی کتب سے نقل

کر کے انہیں اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔ ”بالشت بہ بالشت“ والا کردار تو

انہوں نے ادا کیا ہی تھا لیکن **مُتَوَقِّفِكَ** کی تشریح میں ”ہاتھ بہ ہاتھ“ کا حق بھی

ادا کر دیا۔ قادیانیوں نے **مُتَوَقِّفِكَ** کی تشریح میں بخاری کے باب کا معلق قول

دلیل بنایا تھا اب موصوف کیسے ان کی ”ہاتھ بہ ہاتھ“ بیرونی نہ کرتے۔ چنانچہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے معلق قول کو انہوں بھی دلیل بنایا۔ قادیانیوں نے

تو صاف بتا دیا تھا کہ یہ ابن عباس کا قول ہے لیکن ان علامہ صاحب نے اپنے

قبیلین کو پوری طرح دھوکہ دیا اور لکھا:

”**مُتَوَقِّفِكَ** بمعنی صمٹک ہے جیسا کہ بخاری کی تفسیر سورة المائدہ میں ہے“

(عقیدہ خاتم النبیین، صفحہ ۱۰)

یعنی یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ گویا یہ کسی حدیث کا حصہ ہے! یہ دھوکہ دینا

موصوف کی مجبوری تھی ورنہ ان کے قبیلین واضح طور پر پہچان لیتے کہ یہ تمام



تحریریں کسی قادیانی ایجنٹ کی ہیں۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ موصوف نے معلق قول کو دلیل بنالیا لیکن بخاری کتاب التفسیر میں سورہ نساء آیت ۱۵۹ کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند و مرفوع روایت کو نظر انداز کر دیا۔ ان سے پہلے ان کے اکابرین نے بھی حدیثوں کو انکار حدیث کے مقصد ہی کے لیے استعمال کر کے اپنے اوپر سے منکر حدیث کا لیل بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

منکرین رفع و نزول یعنی الطحاوی وغیرہ احمدی ہوں یا منکرین حدیث، سورہ آل عمران کی درج بالا آیت کو وفات یعنی الطحاوی کے ثبوت میں "برحان قاطعہ" کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ گویا کہ ان کی بیاض میں رفع و نزول کے انکار کے لیے سب سے بڑی دلیل یہی آیت ہے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کے ترجمان نے اس کا ترجمہ "اسے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دوں گا" کیا ہے۔ یہ ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ کی آڑ میں جماعت احمدیہ کا مکمل عقیدہ اور مسلک بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ عقیدہ و مسلک کی بات تشریح میں ہونی چاہیے تھی۔ قرآن کے ترجمہ میں اس قسم کی آمیزش یقیناً ایک بڑا جرم ہے۔ چنانچہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے تمام مسلمہ اصولوں کو بالائے طاق دکھ دیا۔

آیت کی تشریح تو ہم اس سے قبل کر ہی چکے ہیں لیکن اس قول کی بات ہو جائے جو ان دونوں نے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اور کھلم کھلا احادیث کا مذاق اڑایا ہے۔ قادیانیوں نے حدیث کے الفاظ پکڑ کر اس کا مفہوم بدل ڈالا، اور منکرین حدیث نے کتنی ہی احادیث صحیحہ کا کھلا انکار کر دیا۔ لیکن بخاری کے ایک باب میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول انہیں دکھائی دے گیا جس کو بخاری نے بغیر سند کے تعلقاً درج کیا ہے۔ دیکھیں کہ بخاری نے جو مرفوع روایات سند کے ساتھ بیان کی ہیں، انہیں تو یہ جھٹلاتے ہیں اور جو معلق قول انہوں نے بغیر سند کے بیان کیا ہے، اس پر ان کا مکمل ایمان ہے! اسے ہی کہتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو۔ اس سے زیادہ خود فریبی اور کیا ہوگی!

یہ قادیانی اور ان کے حاشیہ نشیں منکرین حدیث، اس بات کا جواب ضرور دیں کہ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بے سند قول ہی ان کے ایمان کی بنیاد ہے، تو پھر ان کے اس قول پر بھی اپنا ایمان بنائیں جو بخاری نے سند کے ساتھ درج کیا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا يَا ابْنِ آدَمَ إِلَّا فَنَسْنًا وَلَئِنَّا بِمَا يَصْنَعُونَ لَنَارِيءُونَ  
قَالَ هُنَّ رُؤْيَا غَيْرُ رُؤْيَا رُؤْيَا رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةُ أَمْرِ يَوْمٍ

(بخاری: کتاب التفسیر، سورہ بنی اسرائیل باب وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا يَا ابْنِ آدَمَ إِلَّا فَنَسْنًا...)

"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت میں (جس کے معنی

یہ ہیں کہ ہم نے جو رویا آپ کو دکھایا وہ لوگوں کی آزمائش کے لیے ہے) رویا سے آنکھ سے دیکھنا مراد ہے، جو شب معراج آپ ﷺ کو دکھایا گیا۔ (یعنی حالت بیداری میں آپ ﷺ معراج پر گئے)۔"

دیکھیں! کیا فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ نبی ﷺ کی یہ معراج جسمانی تھی۔ یہ قادیانی لوگ قرآن مجید و احادیث نبوی ﷺ کو تو غلط معنی پہنا کر رد کرتے چلے آ رہے ہیں، لیکن خود اپنے ایمان کی بنیاد ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو بھی روکرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر بشر آسمان پر نہیں جاسکتا تو آنحضرت معراج کی رات کس طرح آسمان پر پہنچ گئے تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت کا معراج جسم حضری کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ وہ نہایت لطیف جسم کا کشف تھا جو نبی کو دکھایا گیا آپ کا مادی جسم ہرگز آسمان پر نہیں لے جایا گیا۔" (حضرت سید محمد کا، سال، صفحہ ۲۸)

مزاتوجب تھا کہ یہاں بھی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول، جو کہ احادیث صحیحہ کے مطابق ہے، پیش نظر رکھتے اور نبی ﷺ کی جسمانی معراج کا انکار نہ کرتے لیکن چونکہ یہ ان کے مسلک کے خلاف جاتا ہے اس لیے اس سے آنکھیں بند کر لیں۔

محمد ہادی نے اسی انداز کو اپناتے ہوئے تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے ایک روایت بھی بیان کی ہے:

"لو كان موسى وعيسى حيين لما وسعهما الا اتبعاني اگر باقرض موسى وموسى (میری دوران زندگی) زندہ ہوتے تو انہیں بھی مجھ میری تابعداری کے چارہ نہ ہوتا۔" (عقیدہ خاتم النبیین، صفحہ ۷۷)

قارئین جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ ان لوگوں کی ہر ادانرازی ہے، جہاں چاہتے ہیں بے سند روایات کو بنیاد بنا لیتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں صحیح ترین احادیث کو رد کر دیتے ہیں۔ اب تفسیر ابن کثیر کی اس روایت سے قرآن و احادیث صحیحہ کی بات کو اس طرح رد کیا جا رہا ہے گویا کہ یہی برحان قاطعہ ہے۔ حالانکہ اس کا تو مضمون ہی بتا رہا ہے کہ یہ ہے ہی سراسر خلاف قرآن اور پھر محمد ہادی ذرا اس روایت کی سند بھی تو بیان کریں تاکہ قارئین اصل حقیقت سے واقف ہو جائیں۔ اپنے استادوں کی ہر بات بیان کرنا شاید ان کی بڑی مجبوری ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ان کے استاد کا بیان:

"لو كان موسى وعيسى حيين لما وسعهما الا اتبعاني یعنی اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔" (حضرت سید محمد کا، سال، صفحہ ۱۵)



تو قرآن میں آپ کے سامنے آگیا کہ موصوف نے صرف اور صرف ”اطاعت اولی الامر“ میں اس خلاف قرآن روایت کو پیش کیا ہے ورنہ یہ تو احادیث صحیحہ ہی کے انکاری ہیں۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ

اس آیت میں فرمایا کہ

”ای (زمین) میں تم کو جینا ہے اور اسی میں تم کو مرنے ہے اور اسی میں سے تم

کو نکالا جائے گا۔“ (الاعراف: ۲۵)

قادیانی قلم کار نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱ پر یہ آیت اپنے دلائل میں پیش کی ہے۔ اور استدلال کیا ہے کہ انسانوں کے لیے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ زمین پر ہی زندگی گزاریں گے اور اس زندگی کے بعد جب ان کو موت آئے گی تو وہ بھی اس زمین پر آئے گی۔ اور اب جب یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم منضری کے ساتھ آسمان پر جائیٹھے تو گویا کیا اللہ اپنا فیصلہ بھول گیا؟ البتہ اللہ

بے شک اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے اور ہر انسان پر نافذ العمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا بلکہ یہی تو قرآن وحدیث کا بیان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور اسی زمین پر انہیں موت آئے گی۔ جو بات یہ لوگ اپنے حق میں بیان کر رہے ہیں وہی ان کے عقیدے کو رد کر رہی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نہیں ہوگا اور یہ آیت بتا رہی ہے کہ جس طرح ہر ایک کو اسی زمین پر موت آتی ہے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نزول کے بعد اسی زمین پر موت آئے گی۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ رِجْفًا

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كَفَتًّا لِّالنَّجْمِ الْكَبِيرِ (المزملات: ۷-۸)

”کیا ہم نے زمین کو سیٹھے والا نہیں بنایا، زمینوں کو اور مردوں کو“۔

اوپر بیان کردہ سورۃ الاعراف کی آیت کی تشریح میں قادیانی قلم کار نے مذکورہ کتاب میں اس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے اس سے بھی استدلال کیا ہے:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین کے اندر یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ زمینوں

اور مردوں کو اپنے ساتھ لگائے رکھتی ہے اور انسانی جسم کو باہر نہیں جانے دیتی یہ

آیت مسیح کے آسمان پر جانے کو قطعاً ثابت کر رہی ہے۔“ (صفحہ ۱۲)

درحقیقت یہ بات ان سب لوگوں کے علم میں ہے کہ توفی و رفع عیسیٰ علیہ السلام ایک معجزاتی معاملہ ہے، لیکن اس کا رد کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا رفع ثابت ہو گیا تو ان کے خیالی نبی کی خیالی نبوت باطل ٹھہرے گی۔ تمام انسانوں کے لیے وضع کردہ طریقہ کار کے برخلاف عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش پر ان کی زبانیں گھٹک ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو یہ

ہے کہ ”اے انسانو! ہم نے جنہیں ایک مرد اور ایک عورت سے تخلیق کیا“ (الحجرات: ۱۳)

تو کیا اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ پیدا کرتے وقت (معاذ اللہ) اپنا قانون بھول گیا؟ اس کے علاوہ یہ لوگ یہ بات کیوں نہیں کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ چمکتا ہوا انہیں نکل سکتا، ان کا عصا سانپ نہیں بن سکتا!..... اس لیے کہ

دنیا میں کسی اور فرد کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ انہیں یہ بھی کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرد سے براہ راست کلام نہیں فرماتا لہذا موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ نہیں کہا جاسکتا۔

..... معجزات قانون عام سے ہٹ کر ہوتے ہیں۔ آگ کا کام جلانا ہوتا ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اللہ کے حکم سے وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اب تمام معجزات کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھایا گیا تو اس پر اسقدر دوا ہلا کیوں؟ یہ کہنا کہ زمین انسانی جسم کو باہر نہیں جانے دیتی جہالت پر مبنی ہے۔ زمین زندوں اور مردوں کو اس لیے سمیٹ کر رکھتی ہے کہ اللہ نے اس میں خاصیت پیدا کی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خاصیت نہیں رکھی کہ اللہ تعالیٰ کسی جسم کو اٹھانا چاہے تو وہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ جسے اس کام میں مانع ہو اور اس جسم کو زمین سے باہر نہ جانے دے! یہ انداز فکر اسی کا ہو سکتا ہے جس کا دل ہی اندھا ہو گیا ہو۔

”مجھے صلوة اور زکوٰۃ کا حکم ہے جب تک میں زندہ رہوں“

سورہ مریم کی ایک آیت محمد ہادی نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳ پر انہی دلائل کے تسلسل میں پیش کی ہے:

وَلَوْ تَصَدَّقْنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْنَا حَيًّا (مریم: ۳۱)

”اور مجھے حکم ہے کہ میں صلوة قائم کروں اور زکوٰۃ دوں جب تک میں زندہ رہوں“۔

اس آیت کی تشریح بھی ان کے روحانی استاد، جس کے یہ خوشہ چیں ہیں، اپنے مطلب کی فرما گئے ہیں:

”استدلال یہ آیت فیصلہ کرتی ہے کہ اپنی زندگی کے زمانے میں حضرت عیسیٰ نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ بھی دیا کرتے تھے اب چونکہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ اور دار العمل میں نہیں رہے بلکہ خدا تعالیٰ کے پاس جنت میں ہیں۔ لہذا اب ان پر نہ نماز فرض ہے نہ زکوٰۃ، جیسا کہ ہر انسان پر شریعت کی تکلیف زندگی میں ہوتی ہے نہ کہ مرنے کے بعد۔

دوسرے اگر وہ آسمان پر زندہ فرض کئے جائیں اور ان احکام کی پابندی ان پر اب بھی ضروری تجویز کی جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ ان کے پاس آسمان پر روپیہ بھی ہو اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا ایک گروہ بھی موجود ہو







فرماتے ہیں شُبَّهَةٌ لِّقُلُوبِہُمْ مَّعَالِمُہِ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔ شُبَّهَةٌ ماضی مجہول ہے جس میں فاعل نامعلوم ہوتا ہے۔ اب اسرائیلی روایات کی روشنی میں ہمارے مفسرین نے یوں لکھا ہے کہ اللہ نے کسی دوسرے شخص کو عیسیٰ (علیہ السلام) کا ہم شکل کر دیا۔ عیسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان پر زندہ روح اور جسم سمیت اٹھالیا اور اس ہم شکل کو لوگوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) سمجھ کر سولی دی۔ تو لوگوں پر حقیقت حال مشتبہ ہو گئی۔ اللہ کے بندہ غور کرو اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے کہ وہ انسانوں کو شکوک و شبہات میں ڈال دیں۔ اللہ تو اپنے بندوں کو شکوک و شبہات سے نکالنے والا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ عوام کو شکوک و شبہات میں ڈالنے والے علماء سوء اور پیران ضلالت ہوتے ہیں تو اس دور کے بڑوں نے عوام کو دھوکہ میں مبتلا کیا۔

یعنی یہاں موصوف نے اس بات کی وضاحت بھی کر دی کہ فاعل اللہ تعالیٰ نہیں ہے، فاعل بعد کے آنے والے علماء سوء ہیں۔ گویا ماضی مجہول کے اس صیغے کا فاعل بھی انہیں بذریعہ الہام پتہ چل گیا! اس کے بعد ”مشتبہ بنا دینا“ کی تشریح ”شکوک و شبہات“ کی گئی۔ ”مشتبہ بنا دینا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حقیقت ان پر واضح نہیں کی گئی۔ اور واضح کی بھی کیسے جاسکتی تھی یہ تو ایک معجزہ تھا کہ زندہ انسان آسمان پر اٹھالیا جائے۔ انسان کا ذہن تو نہایت ہی ناقص ہے، اس قسم کی باتیں کہاں قبول کر سکتا ہے۔ ہم کتاب اللہ کی بنیاد پر ان معجزات پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن جو انہیں اپنی ناقص عقل پر پرکھتے ہیں، وہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ ایک زندہ انسان کا آسمانوں پر جانا ممکن ہی نہیں۔ اب اگر موصوف اس بات کو مان لیں کہ یہ معاملہ انہی لوگوں کے لیے مشتبہ بنایا گیا تھا جو ان کے قتل کا دعویٰ کر رہے تھے، تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت کوئی ایسا معاملہ کیا تھا کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ بنا دیا گیا۔ پھر موصوف نے یہ بھی لکھا:

”آپ کے قتل کا جھوٹا پروپیگنڈا کیا گیا اور وہ پروپیگنڈا لوگوں میں پھیل گیا تو بات ظاہر ہوئی کہ واقعہ قتل اور واقعہ صلیب کا قصہ ہی جھوٹ ہے۔ اور یہ جھوٹا قصہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے کئی سال بعد پھیلا یا گیا۔“

پہلے قرآن کے بیان کردہ شُبَّهَةٌ لِّقُلُوبِہُمْ کے معنی بدل کر شکوک و شبہات کیے پھر اسے جھوٹا پروپیگنڈا بنا ڈالا! پھر کہتے ہیں کہ یہ پروپیگنڈا ان کی وفات کے بعد پھیلا! نہ جانے یہ ساری کہانیاں انہوں نے کہاں پڑھی ہیں؟ کتاب اللہ تو اس قسم کے بیانات سے خالی ہے۔

قتل کا یہ جھوٹا پروپیگنڈا ان کے بقول عیسیٰ (علیہ السلام) کے کئی سال بعد پھیلا تو اس کی وجہ کیا تھی۔ اس کی دوسری وجوہات ہو سکتی ہیں کہ یا تو عیسیٰ (علیہ السلام) واقعی شہید کر دیے جاتے یا پھر وہاں حاضر نہیں ہوتے۔ ایک انسان وہاں حاضر ہو تو اس کے متعلق کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ ہم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اب ان کی غیر

ملاحظہ فرمایا موصوف نے کتنی لا جواب تشریح کی ہے، قرآن کے مدعا ہی کو بدل ڈالا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا، یعنی جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا تھا انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَّہُمْ اور نہ تو انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ بنا دیا گیا۔ اب بتائیے کہ کس کے لیے یہ معاملہ مشتبہ بنایا گیا: جنہوں نے قتل کا دعویٰ کیا، یا جن کے متعلق موصوف نے کہا ہے کہ بعد والوں کو ان کے علماء نے شک میں ڈال دیا! مع خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں اگر یہ قرآن کے اسی انداز کو مان لیں جس انداز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،



حاضری کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں ایک ان کی وفات یا دوسرا ان کا رفع۔ جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ”نہیں انہوں نے قتل نہیں کیا بلکہ میں نے اسے طبعی موت دی ہے“ بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ زُفِعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ اب محمد ہادی صاحب یہ بتائیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا جھوٹا پروپیگنڈا کیوں پھیلاتا تھا؟

یہ بات بھی ہمارے لیے باعث حیرت تھی کہ کتاب اللہ میں تو کہیں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو ہمارے ہاتھوں قتل ہو جائے وہ ایسا ہے اور ایسا ہے، موصوف نے کہاں سے اس قسم کی باتیں ڈھونڈ لیں؟ چنانچہ بڑی تحقیق کے بعد قادیانیوں ہی کی ایک کتاب سے اس قسم کی تشریحات ملیں، ملاحظہ فرمائیے:

”تفسیر آیت قرآنیہ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا۔ بَلْ زُفِعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ

”اصل بات تو یہ تھی کہ تورات کی رو سے یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر نبوت کا دعویٰ کرنے والا مقتول ہو جائے تو وہ مغتری ہوتا ہے سچا نہیں ہوتا اور اگر کوئی صلیب دیا جائے تو وہ لعنتی ہوتا ہے اور اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوتا اور یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ خیال تھا کہ، قتل بھی کئے گئے اور صلیب بھی دیئے گئے۔۔۔۔۔ یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع روحانی کے منکر تھے۔۔۔۔۔ ان کے دعوے میں حضرت عیسیٰ مصلوب ہو کر نعوذ باللہ کا فرور لعنتی ہو گئے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے نہیں گئے یہ امر تھا جس کا قرآن شریف نے فیصلہ کرنا تھا۔ پس خدا تعالیٰ نے ان آیات سے جو اوپر ذکر ہو چکی ہیں فیصلہ کر دیا۔ چنانچہ آیت وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا

بَلْ زُفِعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ اسی فیصلہ کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ دفع الی اللہ یہودیوں اور اسلام کے عقیدے کے موافق اس موت کو کہتے ہیں جو ایمان داری کی حالت میں ہو اور روح خدا تعالیٰ کی طرف جاوے اور قتل اور صلیب کے اعتقاد سے یہودیوں کا منشاء یہ تھا کہ مرنے کے وقت روح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں گئی۔۔۔۔۔ اور خدا تعالیٰ جواب میں کہتا ہے کہ بلکہ عیسیٰ کی روح کا خدا تعالیٰ کی طرف مرنے کے وقت رفع ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ پس خلاصہ مفہوم آیت کا یہ

ہے کہ اس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول اور مصلوب نہیں ہوئے بلکہ طبعی موت کے بعد ان کا رفع الی اللہ ہوا جیسا کہ قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ ”يُعَذِّبُنِي رَّبِّي مُتَوَقِّئًا وَكَأَفْعَلَكِ الْيَوْمَ“ اور ”تَوَفَّنِي طَبْعِي مَوْتٍ وَسِينَةٍ“ کو کہتے ہیں جیسا کہ صاحب کشاف نے اس آیت کی تفسیر ”يُنْفِخُ رُبِّي مُتَوَقِّئًا“ میں لکھا ہے اسی ممتک حنفی انفک قرآن شریف کی یہ آیت یعنی

”يُنْفِخُ رُبِّي مُتَوَقِّئًا وَكَأَفْعَلَكِ الْيَوْمَ“ تمام جھڑنے کا فیصلہ کرتی ہے کیونکہ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع زندگی کی حالت میں ہوا اور خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ موت کے بعد رفع ہوا۔

(ماہنامہ احمدیہ، جلد ۲۱، صفحہ ۳۰۳-۳۰۸، اپنی سلسلہ احمدیہ مرزا قادیانی)

قارئین! اوپر پیش کردہ تحریر مرزا قادیانی کی ہے جس نے اللہ کی طرف سے وحی آنے کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن اس کے جھوٹا ہونے کے لیے صرف ایک یہی نکتہ کافی ہے کہ اس نے اللہ کے بجائے ”خدا“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپ پورے قرآن کا، ساری احادیث کا مطالعہ کر لیں، کہیں بھی آپ کو لفظ ”خدا“ نہیں ملے گا۔ مسلمین کے اللہ کا نام ”اللہ“ ہے اور دوسرے صفاتی نام ہیں۔ جو شخص وہ لفظ استعمال کرے جس کا کوئی وجود ”وحی علی“ یعنی قرآن اور ”وحی خفی“ یعنی احادیث رسول اللہ ﷺ میں نہ ملتا ہو، تو یقیناً وہ جھوٹ گھڑنے والا ہے۔ جس وحی کو اس نے ”وحی الہی“ کہا ہے، اصل میں وہ ”وحی شیطانی“ ہے۔ قارئین! تو یہ ہے مرزا قادیانی کی وہ کتاب جہاں سے محمد ہادی نے اس آیت کی یہ تشریح سیکھی ہے۔

اسی خیالی نبی کا ایک گمراہ پیروکار سورۃ نساء کی اس آیت کا ترجمہ کرتا ہے: ”یہود نے نہ تو مسیح کو قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر لٹکا کر مارا بلکہ اصل واقعہ یہ ہوا کہ مسیح ان کی نظروں میں مشابہہ المقتول و المصلوب بنا دیئے گئے مگر وہ ہرگز مسیح کو مارنے پر قادر نہ ہوئے۔ بلکہ مسیح کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا۔“ (حضرت مسیح موعود کا وصال، صفحہ ۲۵)

پھر اس کی تشریح میں لکھا:

”یعنی اللہ نے ان (یہود) کے جھوٹے عقیدے کا رد کیا کہ تمہارا یہ خیال کہ مسیح صلیب پر مرے ٹھہرا ملعون ہوئے اور ان کا رفع الی اللہ نہیں ہوا، غلط ہے۔ مسیح ہرگز ملعون ہو کر صلیب پر نہیں مرے بلکہ وہ طبعی موت مرے۔ اور ان کی روح خدا کے مقرب بندوں کی طرح عزت کے ساتھ اٹھائی گئی۔“ (ایضاً)

مرزا غلام احمد نے اس آیت کی تشریح میں مُتَوَقِّئًا کے معنی موت کے لیے اور پھر کفر و کفر بیان کر ڈالا کہ ”دفع الی اللہ“ یہودیوں اور اسلام کے عقیدے کے موافق اس موت کو کہتے ہیں جو ایمان داری کی حالت میں ہو اور روح خدا تعالیٰ کی طرف جاوے اور قتل اور صلیب کے اعتقاد سے یہودیوں کا منشاء یہ تھا کہ مرنے کے وقت روح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں گئی۔“

یہودیوں کا عقیدہ کیا تھا، اس سے تو ہمیں کوئی بحث نہیں البتہ یہ کھلا جھوٹ







نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو برہنہ کر دیا، عرب و عجم عبور کرائے، ہزاروں میلوں کا سفر طے کرا کے سری نگر پہنچایا، لیکن ذرا آگے اپنے شہر قادیان لے جانا پسند نہ کیا، کیوں کہ ان کے پیش نظر سب سے بڑا مسئلہ قبر کا تھا! یعنی مرزا جی اگر قادیان میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی قبر بناتے تو مقامی لوگ پوچھتے کہ یہ کس کی جموٹی قبر بنا رہے ہو؟ چنانچہ مجبوراً انہیں سری نگر کی کاغذی قبر کرنا پڑا۔ اب نہ کوئی تحقیق کرنے جائے گا اور نہ ان کے جموٹ کا بھانڈا اچھوٹے گا۔ قرآن و حدیث اور مستند تاریخ کی روشنی میں ایسی کسی قبر کا کوئی وجود نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سری نگر کے محلہ خانیار میں کسی ”عیسیٰ خان“ کی قبر ہو جس کے ساتھ ہی ان کے بھائی ”موسیٰ خان“ کا مزار بھی ہو جسے مرزا قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کی قبر قرار دے دیا۔ جہاں تک عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا سوال ہے تو دمشق کا مسنارۃ البیضا ان کا منظر ہے۔

قارئین! عیسیٰ علیہ السلام کے توفیق اور دفع کے بارے میں قرآن کا موقف ہم تصدیق اور بیان کر چکے ہیں لیکن جو شکوک و شبہات ان لوگوں نے پھیلائے ہیں، اس کی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ تھوڑی سی تفصیل دوبارہ بیان کی جائے تاکہ ان کی مغالطہ رائیوں کا پول کھولا جائے۔

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَكَرُوا﴾ ”انہوں نے (یعنی یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیریں کیں“۔ یہ خفیہ چالیں کس کام کے لیے تھیں: ﴿وَقَوْلُهُمْ إِنَّا قَاتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ وَرَسُولَهُ﴾ ”اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو قتل کر دیا“۔ گویا کہ یہودی اس بات کے خواہاں تھے کہ کسی طرح اس شخص کا کام تمام کر دیا جائے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو موت آجائے: ﴿وَمَكَرُوا لَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ مَا كِيدُوا﴾ ”اور اللہ نے بھی تدبیر کی، اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہے“۔ یہودی ان کی موت کے لیے چالیں چل رہے تھے اور ان کی ان چالوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے ”خفیہ تدبیر“ کی: ﴿وَهُوَ خَفِیْرٌ تَدْبِیرُهَا﴾ ”اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کی“۔ ”جب اللہ نے کہا“ اے عیسیٰ میں تجھے پورا پورا لے لوں گا اور تجھے اٹھا لوں گا اپنی طرف“۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی ”خفیہ تدبیر“ عیسیٰ علیہ السلام کا ”رفع“ تھا جیسا کہ سورۃ مائدہ (آیت ۱۱۰) میں فرمایا: ﴿وَلَا يَحْصِيهَا سَعْدٌ﴾ ”بے شمار“ اور جب میں نے تمہیں بنی اسرائیل سے بچالیا تھا، یعنی اللہ نے بنی اسرائیل کی چالوں کو ناکام بنا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان سے بچالیا۔

آپ نے گزشتہ طور میں دیکھ لیا ہوگا کہ ان دونوں گمراہ گروہوں نے قرآنی آیت ﴿مَتَوَفَّيْنَاكَ﴾ کا ترجمہ ”تجھے موت دے دوں گا“ کیا ہے۔ اگر

یہاں ”بنی اسرائیل“ کو پھر بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا خفیہ تدبیر کی؟ کیونکہ یہودی ان کی موت کے خواہاں تھے جس کے لیے وہ خفیہ چالیں چل رہے تھے: ان کی چالوں کے مقابلے میں اللہ نے بھی ایسی ”خفیہ تدبیر“ کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو موت کا ہی پیغام سنا دیا! یعنی جو یہودی چاہتے تھے وہی بات اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی کہ اے عیسیٰ! یہ یہودی تمہاری موت چاہتے ہیں اور میں بھی تمہیں موت دے دوں گا!۔ یہ کتاب اللہ ہے، اللہ کا کلام ہے اور یہ اس کے ساتھ کھیل رہے ہیں! حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے یہودیوں کی خواہشات کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو موت سے ہمتا نہیں فرمایا بلکہ فرمایا: ﴿وَمَا أَهْتَلُكَ بِهِنَّ﴾ ”وہ تمہیں قتل نہیں کیا“ اور یقیناً انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ یہ تھی وہ خفیہ تدبیر جو اس غالب اور حکمت والے رب نے کی۔ روح نہیں اٹھائی مگر بلکہ ان کا جسمانی رفع کیا گیا۔ اس سے قبل اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ موت کے وقت فرشتے روح لے کر جاتے ہیں، جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع میں قائل خالص اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے، فرشتے نہیں۔

اب بات ہوتی ہے اس من گھڑت عقیدے کی جو منکر حدیث اور قادیانیوں کے درمیان مشترک ہے۔ قادیانیوں نے مقتول یہود کے بارے میں لعنتی اور زلیل ہونے کی ایک خود ساختہ تفسیر بیان کی اور محمد ہادی نے حسب سابق اس پر بھی ایمان لاتے ہوئے لکھا:

”وہ عیسیٰ (علیہ السلام) زلیل و لعنتی نہیں بلکہ اللہ نے اسے بلند مقام عطا کیا ہے۔ جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ (علیہ السلام) کی والدہ (مریم صدیقہ علیہا السلام) کو بشارت دی تھی ﴿وَجَنَّبَايَا لِّذِي الْاُخْرَىٰ﴾ ”وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا“۔ (عقیدہ قائم نہیں، صفحہ ۸)

انہیں قرآن کے بیان کردہ ”رفع“ کا ہر حالت میں انکار کرنا مقصود تھا، لہذا اب کسی ایسی ہی تاویل کی ضرورت تھی۔ اسی لیے لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے کہہ دیا جیسا کہ مریم صدیقہ کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا۔ مریم صدیقہ نہایت ہی حلت آزمائش میں مبتلا تھیں۔ اس پاک باز خاتون کو اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ اے مریم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس عظیم مشن کے لیے منتخب کیا ہے: جو تمہارے وطن سے پیہا ہوگا وہ کن کن صفات کا حامل ہوگا: اللہ نے اسے اس دنیا میں بھی معزز بنایا ہے اور آخرت میں بھی۔ مریم صدیقہ کو صرف اسی شخص (عیسیٰ علیہ السلام) ہی کی بابت بتانا تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بابت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ یہ دنیا میں بھی معزز ہوگا اور آخرت







وَالَّذِينَ لَا تَخْشَى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ وَلَكِنْ تَخْشَى الْعَذَابَ الَّذِي فِي الصُّدُورِ

(الحج: ۳۶)

”بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سینے میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔“

یہ پڑھ کر ہماری تسلی ہوگئی کہ اللہ کا شکر ہے موصوف کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں اور یہ کورپن کسی اور ہی جگہ ہے!

اب سوال یہ ہے کہ بقول ان صاحب کتاب کے، عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر نہیں اٹھائے گئے، تو پھر وہ گئے کہاں؟ موصوف کو معلوم تھا کہ یہ سوال ہوگا لہذا انہوں نے جواب کی ”مکمل“ تیاری کر رکھی تھی، ملاحظہ فرمائیے:

”ان سارے دلائل کے باوجود عیسائیوں کے باطل نظریات سے متاثر ہو کر نزول مسیح علیہ السلام کے قائلین پوچھتے ہیں کہ جب نہ قتل ہوئے اور نہ سولی چڑھے اور نہ آسمانوں پر گئے، تو آخر عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے؟ معلوم ہونا چاہیے کہ سورۃ الصف کے آخر میں آیا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت دی تو حواری ایمان لے آئے جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی بنے اور آخر کار وہ غالب آئے۔ عیسیٰ علیہ السلام مغلوب نہ تھے جیسا کہ نادانوں نے عیسائیوں کی کتابوں سے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَتَبَ اللَّهُ لَأَحْمَدَ أَنْتَ أَوَّلُ مَنْ دَلَّ عَلَى الْبَيْتِ لَئِنْ أَنَا فَهِيَ لَعَلِّي عَذِيبُ (سورۃ مجادلہ آیت 21) ترجمہ: مقرر کیا ہے اللہ نے کہ میں ابرہہ کے رسول ضرور غالب رہوں گے۔ بیشک اللہ ضرور آور غالب ہے۔“ (عقیدہ خاتم النبیین صفحہ ۷)

قارئین! ہم نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس جواب کی ”مکمل“ تیاری ہے۔ ظاہری بات ہے کہ ایک آدمی جب قرآن کی آیات سے جواب دے رہا ہے تو کون شک کرے گا۔ لیکن نہ جانے کیوں ہمیں شک ہونے لگا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ پوری کتاب میں انہوں نے قرآنی آیات کی تشریح چاہے شیطان کے الفاظ میں کی ہو، لیکن اپنے دلائل کے لیے قرآن کی آیات بمع ترجمہ پیش کی ہیں۔ لیکن یہاں انہوں نے صرف یہ کیوں لکھ دیا: ”معلوم ہونا چاہیے کہ سورۃ الصف کے آخر میں آیا ہے کہ۔۔۔“ اپنے اس شک کی وجہ سے ہم نے پوری سورۃ الصف پڑھ ڈالی، لیکن پتہ نہ چل سکا کہ عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے۔ ہم نے سنا شاید ہمیں دھوکہ ہو رہا ہے ہم سورۃ المستنیر یا سورۃ الجمعہ پڑھ گئے ہیں۔ دوبارہ دیکھ دیکھ کر سورۃ الصف پڑھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے لیکن ہم ڈھونڈتے ہی وہ گئے۔ پھر ہم نے ان علامہ کی تحریر کو غور سے پڑھا، لکھا تھا:

”کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت دی تو حواری ایمان لے آئے جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی بنے اور آخر کار وہ غالب آئے۔“

”ابا ابی عیسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ جوان کے ”حواری“ تھے، وہ غالب آئے۔“

خون کھول اٹھا، اتنا بڑا دھوکہ! ایک سطر میں لکھا ہے:

”تو آخر عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے؟“

اور ایک سطر چھوڑ کر لکھا ہے:

”جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی بنے اور آخر کار وہ غالب آئے۔“

قارئین! آپ بھی سورۃ الصف کی یہ آیت بغور پڑھیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ قَا مَسَدَتْ خَلِيفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَكَفَرَتْ خَلِيفَةٌ فَأَيُّ كِنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عِدَّةٍ مِنْهُ فَأَصْبَحُوا ظَالِمِينَ (الصف: ۱۳)

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ جس طرح مریم کے بیٹے عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا ہم مددگار ہیں۔ پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک نے کفر کیا۔ پس ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں سے مقابلے پر مدد کی تو وہ غالب آ گئے۔“

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی زندگی ہی میں یہ خوشخبری سنادی تھی:

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ يَا اللَّهُ وَاشْهَدْ يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ رَبَّنَا أَمَّا لِمَا أَتَيْنَاكَ وَابْتَغَيْنَا الْوَسْوَءَ فَالْكَتَبْنَا مَعَهُ الشَّهَادِينَ ۖ وَكُفَرُوا وَكُفِّرُوا اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِينِينَ ۖ لَئِنْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ (آل عمران: ۵۵-۵۷)

”جب عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) کی طرف سے محسوس کیا کہ وہ کفر پر آمادہ ہیں تو کہا: کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کی راہ کے مددگار، ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ گواہ رہیں کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی پیروی کی، پس تو ہمارا نام شاہدوں میں لکھ لے۔ اور انہوں نے (یعنی یہودیوں نے عیسیٰ کے خلاف) خفیہ تدبیریں کیں اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ میں (دنیا میں) تیری مدت پوری کر کے تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا اور ان کافروں سے تجھے پاک کر دوں گا، اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر عادی رکھوں گا جنہوں نے انکار کیا ہے۔“



دیا گیا تھا۔ اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ کہ انہیں بھٹکا کر گمراہی میں دور لے جائے۔

باوی اینڈ کمپنی بھی اپنا نام ”المسلمین“ رکھ کر اسی بات کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن انہیں قرآن مجید کے لیے نبی ﷺ کی تفسیر بالکل اچھی نہیں لگتی بلکہ ان کی من پسند تفسیر تو تفسیر بیضاوی، تفسیر قرطبی وغیرہ ہی ہیں۔ اگر ان تفسیر میں کوئی بات قرآن وحدیث کے مطابق بیان ہوتی اور یہ اسے ہی پیش کرتے تو خیر صحیح تھا، لیکن انہوں نے تو اپنا سارا دین ہی ان تفسیر کی رطب و یابس اور قادیانی اور منکرین حدیث کی کتابوں سے سیکھا ہے اور انہی کے یہ حوالے بھی دیتے ہیں۔ اگر قرآن کی تفسیر نبی ﷺ کی احادیث کے مطابق کی جاتی تو پھر ان کا موجودہ دین ایک لمحہ بھی قائم نہ رہ سکتا تھا۔

سورۃ مجادلہ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ کسی ایک رسول کے نہیں، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے غلبے کا بیان فرمایا ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام جو شہید کر دیے گئے یا ہجرت پر مجبور کیے گئے یا عیسیٰ علیہ السلام، جن کا رفع ہوا، سب کے لیے اس میں غلبہ کا لحاظ ہے۔ انسان کا ذہن تو نہایت ہی کمزور ہے، وہ اگر اپنے دماغ سے سوچے تو لاتعداد باتوں کا انکار کر دے جیسا کہ یہ منکر حدیث زیر بحث اللہ کے اس معجز و رفع کا انکار کرتے ہیں، لیکن یہی باتیں اگر قرآن کی دیگر آیات اور اس تفسیر کی مدد سے سمجھی جائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر وحی فرمائی ہیں، تو پھر کسی قسم کا کوئی شک نہیں رہتا۔ اب ہم اس مسئلہ کو احادیث سے سمجھتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتَّى تُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزَّى - فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَا أَطُحُّ حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَكَ بِالْهُدَى وَذُنُوبِ الْحَقِّ إِلَى قَوْلِهِ وَلَوْ كَذَّبَ الْمُتَفَرِّقُونَ أَنْ ذَلِكَ نَأْمٌ قَالَ إِنَّهُ سَبْخُونَ مِنْ ذَلِكَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ يَنْعَثُ اللَّهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتُزْفَى كُلُّ مَنْ فِي قَلْبِهِ مَقْطَالٌ حَبْلٌ مِنْ خَزْدَلٍ هُنَّ أَيْمَانُ فَيَنْقِي مَنْ لَا خَيْرَ فِيهِ فَيُزْجَفُونَ إِلَى دِينِ آبَائِهِمْ

(مسلم: کتاب الفتن و الشرائط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتى تعبدوا من ذا الخلصة)

”عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے سنا نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے رات اور دن ختم نہ ہوں گے جب تک لات اور عزیٰ دو بارہ سے نہ پوجے جائیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو سمجھتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَكَ بِالْهُدَى وَذُنُوبِ الْحَقِّ وَلَوْ كَذَّبَ الْمُتَفَرِّقُونَ (وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا

قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر مسلمان کے ایک گروہ نے لبیک کہا، پھر یہودیوں کی خفیہ تدبیروں کے مقابلے میں اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنی طرف اٹھا کر ان کافروں سے پاک کر دوں گا، یعنی تمہیں ان کے درمیان نہیں چھوڑوں گا، اور جو تمہارے متبعین ہیں انہیں قیامت تک کے لیے ان کافروں پر غالب کر دوں گا۔ یہ ہے سورۃ الصف کا وہ بیان جس کو بنیاد بنا کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اب آیۃ سورۃ المجادلۃ کی آیت کی طرف جو محمد ہادی نے اسی بات کی دلیل میں پیش کی ہے اور کہا ہے کہ

”عیسیٰ علیہ السلام مغلوب نہ تھے جیسا کہ نادانوں نے عیسائیوں کی کتابوں سے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنْتَا وَرُسُلِي الْإِنِّ اللَّهُ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (سورۃ مجادلہ آیت 21) ترجمہ:- مقرر کیا ہے اللہ نے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ بیشک اللہ زور آور اور غالب ہے۔“

اس آیت کو پیش کرنے کا ان کا مقصد یہی ہے کہ یہ اللہ کا فرمان ہے کہ میں اور میرے سارے رسول غالب رہیں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اٹھایا تو اس کا مطلب ہے کہ نعوذ باللہ وہ مغلوب ہو گئے اور ایسا کہنے والے کو یا اللہ کے فرمان کا انکار کرتے ہیں۔ کتنے ہی انبیاء علیہم السلام شہید کر دیے گئے، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ اب اگر موصوف عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کو اپنی دانست میں مغلوب ہونا سمجھتے ہیں تو پھر ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق ان کا کیا خیال ہے آیا وہ غالب ہوئے یا مغلوب؟

در اصل موصوف کی گمراہی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو انسانوں کی لکھی ہوئی تفسیر بالخصوص اپنے جیسے یعنی بیضاوی، قرطبی وغیرہ سے سمجھنے کی کوشش کی لیکن مفسر قرآن رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کو، جو مالک کائنات نے وحی کے ذریعے عطا فرمائی تھی، مشکوک قرار دے کر قرآن کی ہدایت سے خود کو محروم کر لیا۔ ایسے بد نصیب لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا إِلَى الْغَاوَةِ وَقَدْ آمَنُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء: ۶۰)

”(اے نبی ﷺ)، کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دعویٰ تو اس بات کا کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تم پر نازل ہوا ہے اور جو تم سے پہلے نازل ہوا ہے، مگر چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں۔ حالانکہ انہیں تو طاغوت کے کفر کرنے کا حکم



دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو غالب کر دے سب ادیان پر اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی برا لگے) یہ وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جس کی وجہ سے ہر وہ مومن جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا مر جائے گا۔ پھر وہ لوگ رہیں گے جن میں بھلائی نہیں، پھر وہ باپ دادا کے دین پر لوٹ جائیں گے۔

مسلم کی دوسری روایت میں بیان کیا گیا کہ:

.....إِذْ يَبْعَثُ اللَّهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُ هُمْ تَحْتَ أَبْطَاطِهِمْ  
فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَتَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ  
يَنْهَارُ بَحْرُونَ فِيهَا تَهَارُجُ الْحُمْرُ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ الشَّعْثَةُ (ایضاً)  
”..... اسوقت اللہ تعالیٰ ایک پاک ہوا بھیجے گا کہ ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور اثر کر جائے گی تو ہر مومن اور مسلم کی روح قبض کر لے گی اور صرف بدترین انسان ہی رہ جائیں گے، وہ آپس میں تھکھوکھوں کی طرح لڑیں گے، ان پر قیامت قائم ہوگی۔“

واضح ہوا کہ دین کے غلبے کا وقت قرب قیامت ہے۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اور تمام انبیاء علیہم السلام کا دین بھی وہی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک دین کو غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ کسی کی قوم سے ایک فرد ایمان لایا اور کسی نبی کی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے بعد بھی اتنے ہی افراد ایمان لائے کہ ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ لوط علیہ السلام کی قوم میں صرف ایک گھر ایمان والوں کا نکلا۔ کوئی نبی شہید کر دیا گیا، یا کسی کو اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی۔ کوئی جیل میں قید کیا گیا تو کوئی حاکم بنایا گیا۔ اس سب کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ اور اس کے تمام انبیاء علیہم السلام غالب ہو کر رہیں گے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی ایک دین کے غلبے کے لیے جدوجہد کی ہے، جو مذہداری جس کو سونپی گئی، اس نے اسے پورا کیا ہے۔ قرب قیامت یہی دین غالب ہو جائے گا۔ دنیا میں کوئی اور دین باقی نہ بچے گا۔ یہی ہے اللہ کا فرمان کہ ”اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب ہو کر رہیں گے۔ بیشک اللہ زور آور اور غالب ہے۔“

تو موصوف نے اس آیت کو پیش کر کے دھوکہ دینے کی جو کوشش کی تھی کتاب اللہ نے اس کا بھی پردہ چاک کر دیا۔

یہاں قادیانیوں کی ایک اور مغالطہ آرائی کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔  
بَلْ زَعَمَهُ اللَّهُ بَيْنَ يَدَيْهِمْ  
یعنی اللہ تعالیٰ نے مسیح کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اب اگر خدا کی طرف اٹھائے

جائے۔ کے معنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کئے جائیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ آسمان تک محدود ہے۔ کیا اسلامی تعلیم کی رو سے خدا ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں اکیادہ زمین پر موجود نہیں؟“  
(حضرت سید محمد بن علی علیہ السلام کا وصال، صفحہ ۲۳)

معمولی غور و فکر کرنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات عقل سلیم سے ہٹ کر ادب و محاوروں کو پس پشت ڈال کر کہی گئی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے حوالے سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے لیکن اپنی ذات کے حوالے سے وہ مستوی عرش ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہے:

الَّذِينَ عَلَى الْعَرْشِ مُتَوَلِّينَ (عہدہ ۵)  
”رہن عرش پر مستوی ہے۔“

ثابت ہوا کہ زَعَمَهُ اللَّهُ بَيْنَ يَدَيْهِمْ سے مراد صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر اٹھایا جانا ہے۔ اسی حوالے سے یہی مصنف صفحہ نمبر ۱۵-۱۶ پر یہ بھی لکھتا ہے کہ معراج کی رات نبی ﷺ نے صلی اللہ علیہ وسلم کو بجلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔ اور بجلی اللہ علیہ وسلم کو سب ہی وفات شدہ مانتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بھی موت کے بعد ان کے جسم کو چھوڑ گئی اور وہ روح فوت شدہ لوگوں کے ساتھ ہے۔ یہ بات بھی کو عقل ہی کہہ سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ معراج ایک معجزہ ہے۔ اور معجزہ کبھی بھی عام قوانین پر دلیل نہیں بناتا لہذا معجزے کو بطور دلیل استعمال کرنا محض جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔ نبی ﷺ کا ایک رات میں اپنے جسم کے ساتھ مسجد اقصیٰ جانا اور پھر تمام آسمانوں پر جانا، ایک عام طریقہ نہیں بلکہ معجزہ تھا۔ اگر کوئی کہے کہ صلوٰۃ بھی اسی رات فرض ہوئی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ صلوٰۃ کی فرضیت اللہ تعالیٰ کا ایک حکم تھا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا پابند نہیں کہ وہ کس صورت میں اپنے احکامات بیان کرے۔ اس پر بھی اگر یہ لوگ اسی حوالے سے یہ بات بیان کرتے ہیں تو اس بات کی وضاحت کریں کہ کیا یہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اسی زمین پر حاضر مانتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اسی رات مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی تھی جو اسی زمین پر واقع ہے، تو گویا نبی ﷺ بھی انہی وفات شدہ روحوں کے ساتھ تھے۔ پھر آسمانوں پر وفات شدہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نبی ﷺ کی ملاقات ہوئی، تو کیا مردہ اور زندہ کی ملاقات بھی ہو سکتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو پھر وفات شدہ روحوں کے ساتھ رفع شدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں مل سکتے؟ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے پاس دیکھا وہ طواف کر رہے تھے (مسلم: کتاب الایمان، باب الاسراء)، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دنیا میں کعبہ کے پاس ہی کہیں ہیں؟



ملاحظہ فرمائیں کہ مرزا غلام احمد نے **وَمُطَهِّرُ الْقَوْلِ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا** اور ان کافروں سے تجھے پاک کر دوں گا کی کیا تشریح کی ہے:

”وَعَدَهُ وَمُطَهِّرُ الْقَوْلِ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا جو وعدہ دفع کے بعد تھا آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پورا ہو گیا کیونکہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے کہ ان بے جا تہمتوں سے پاک کیا جو یہود اور نصاریٰ نے ان پر لگائیں تھیں۔“

(برہان احمدیہ جلد ۲۱، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۳۹)

دیکھا آپ نے مرزا نے کیا کارنامہ دکھایا ہے! قرآن کے اس بیان کو وعدہ مطہر کہہ کر اس کے مفہوم کو بدل ڈالا! مالک فرماتا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے ان کافروں سے پاک کر دوں گا، یعنی تجھے ان کے درمیان نہ چھوڑوں گا بلکہ تجھے اٹھا لوں گا، اور انہوں نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ تیرے اوپر لگی ہوئی تہمتوں کو دھوڑا لوں گا!

### صمت رسول کے محافظ!

قادیانیوں کو عیسیٰ علیہ السلام کا رفع کسی حالت میں قبول نہیں۔ انہوں نے تو ہر حالت میں عیسیٰ علیہ السلام کو مارتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہیں تو پھر ان کا ”صبح سویرا“ کا عقیدہ باطل ٹھہرتا ہے۔ لہذا اب دوسرے انداز میں اس رفع کو جھٹلانے کے لیے یہ لوگ درج ذیل آیت اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں:

لَا يَكُونُ لَكَ بَيْنَهُمْ نَذْرٌ أَوْ تَرْفٌ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ بِقَوْلِكَ حَتَّى تَأْتِيَنَا كِتَابُ الْغُرُورَةِ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ (اسی سورہ جملہ ۹۳)

”کہتے تھے ہرگز تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ (.....) یا تیرے لیے سونے کا ایک گھربن جائے، یا تو آسمان پر چڑھ جائے، اور تمہارے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تمہارے لیے ایسی کوئی تحریر نہ لے آئے جسے ہم پڑھیں۔ اے نبی! ان سے کہہ دیا کہ ہے میرا رب، کیا میں ایک بیٹام لائے والے انسان کے علاوہ بھی کچھ ہوں۔“

اس آیت کی تشریح میں احمدی قلم کار لکھتا ہے:

”اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا کہ ایک بشر کا زندہ آسمان پر جانا خدا کی سنت اور وعدہ کے خلاف ہے اور خدا اس بات سے پاک ہے کہ خود اپنے فیصلوں کو توڑے۔ غور کا مقام ہے کہ کفار عرب نبی کریم ﷺ جیسے عظیم انسان سے آسمان پر جانے کا مجبور طلب کرتے ہیں اور اس قسم کا مجبور

دیکھنے پر ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ صاف جواب دیتے ہیں کہ میں تو صرف ایک بشر ہوں اور کوئی بشر آسمان پر زندہ نہیں جاسکتا۔“

پھر ایک شعر دہرایا جاتا ہے:

غیرت کی جائے بھئی زندہ ہو آسمان پر..... مدفون ہو زمین میں شاہ جہاں ہمارا (حضرت مسیح مہدی کا وصال صفحہ ۱۲)

ایک اور احمدی نے اس طرح خامہ فرسائی کی:

”کس طرح ممکن ہے کہ وہ جسے اللہ تعالیٰ نے ذرا سا خطرہ دیکھ کر آسمان پر اٹھالیا، اوتی درجہ کا ہو اور وہ جس کا دور دورہ ایک دشمنوں نے عقاب کیا مگر خدا تعالیٰ نے اسے ستاروں تک بھی نہ اٹھایا، اعلیٰ ہو۔ اگر فی الواقع مسیح علیہ السلام آسمان پر ہیں اور ہمارے سردار و آقا زمین میں مدفون ہیں تو ہمارے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی موت نہیں اور ہم سب کو کمزور بھی نہیں دکھا سکتے، مگر نہیں یہ بات نہیں، خدا تعالیٰ اپنے پاک رسول سے یہ سلوک نہیں کر سکتا۔“

(دعوة الامير صفحہ ۱۵، مرزا بشیر الدین محمود احمد قادیانی)

”..... ان سے کہہ دے کہ میرا رب ہر کمزوری سے پاک ہے میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں لیکن حضرت مسیح کو وہ آسمان پر اٹھا کر لے جائے جب محمد رسول اللہ ﷺ کا سوال آئے تو انسانیت کو آسمان پر چڑھنے کا مخالف بتایا جائے، لیکن جب مسیح کا سوال آئے تو بلا ضرورت ان کو آسمان پر لے جائے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہ نکلے گا کہ مسیح علیہ السلام آدمی نہیں تھے بلکہ خدا تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یا پھر یہ نتیجہ نکلے گا کہ آپ رسول کریم ﷺ سے افضل تھے اور اللہ کو زیادہ پیارے تھے مگر جب کہ یہ بات انہیں من الغص ہے کہ آنحضرت ﷺ سب رسولوں اور انبیاء سے افضل ہیں تو پھر کس طرح عقل باور کر سکتی ہے کہ آپ تو آسمان پر نہ جائیں بلکہ اسی زمین پر فوت ہوں اور زمین کے نیچے دفن ہوں، لیکن مسیح علیہ السلام آسمان پر چلے جائیں اور ہزاروں سال تک زندہ رہیں۔“ (ایضاً: صفحہ ۱۶)

سبحان اللہ! جس شخص نے ختم نبوت کے مرکزی عقیدے میں نقب لگائی، اس کے پیروکار اب صمت رسول کے محافظ بن بیٹھے ہیں! چہ خوب..... اور حب رسول کے تکلف میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ نبی ﷺ کو اپنی تحریروں میں کہیں آقا اور کہیں شاہ جہاں جیسے القابات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا ہمسر بنانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ مع زبان بگڑی تھی خبر لیجئے وہن بھی بگڑا

شرک تو ان قادیانیوں کو مرزا صاحب سے ورثے میں ملا ہے۔ مرزا کی تصنیفات



شرکیہ عبارات سے پر ہیں۔ انہوں نے ختم نبوت کے عقیدے ہی سے انحراف نہیں کیا بلکہ اللہ کی توحید میں شرک کی آمیزش بھی کی۔ نبی ﷺ کے لیے آقا (مالک)، شاہ جہاں (جہاں کا بادشاہ) کے الفاظ استعمال کیے۔ یہ الفاظ تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو سزاوار ہیں۔

یہ بات تو ہوئی اس ظلم عظیم کے حوالے سے جو اس شعر سے ہویدا ہے۔  
اب ذرا اس عذر رنگ کا جائزہ بھی لے لیجیے جو رفع عیسیٰ ﷺ کے عقیدے میں  
مانع ہے۔ یعنی ہمارے نبی ﷺ آسمان پر نہیں جاسکتے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ عیسیٰ  
ﷺ اپنے جسدِ مخسری کے ساتھ آسمان پر جا بیٹھے ہوں۔ کاش کہ جماعت  
احمدیہ کے ترجمان اس جعلی محبت کا ذرا اور مظاہرہ کرتے اور اس طرح کے دوچار  
اعتراضات مزید داغ دیتے مثلاً یہ بھی کہہ دیجئے کہ ہمارے نبی ﷺ کے باپ  
بھی تھے اور ماں بھی تھیں، اب کیسے ممکن ہے کہ آدم ﷺ بغیر ماں باپ کے اور  
عیسیٰ ﷺ بغیر باپ کے پیدا ہو گئے! ہمارے نبی ﷺ نے تو کوئی مردہ زندہ  
نہیں کیا، یہ کیسے ممکن ہے کہ عیسیٰ ﷺ فقط قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ کی پکار سے مردوں کو  
اٹھا کھڑا کرتے تھے! ہمارے نبی ﷺ کے ذریعے تو کوڑھ کا کوئی مریض صحت  
یاب نہیں ہوا، کیسے ممکن ہے کہ عیسیٰ ﷺ کوڑھ کے مریضوں کو تندرست  
کر دیتے ہوں! عیسیٰ ﷺ مٹی سے پرندے کی شکل بناتے اور اس پر چھو نکلتے  
تو اللہ کے حکم سے وہ ایک زندہ پرندہ بن جاتا، لیکن نبی ﷺ کے ساتھ ایسا نہ ہوا  
..... اب ہم کیا منہ دکھائیں گے عیسائیوں کو! ہمیں موت کیوں نہ آگئی!

حقیقت کو جھٹلانے کے لیے حماقت کا راستہ ہی اپنانا تھا تو دو قدم اور آگے چلے جاتے اور کہتے اللہ تعالیٰ نے ابرہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بیان کیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کو وہ نبی ﷺ سے زیادہ پیارے بنے؟ کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا، کیا موسیٰ علیہ السلام اللہ کو نبی ﷺ سے زیادہ محبوب تھے؟ پھر کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا تو سانپ بن جاتا تھا، اب ہم یہودیوں کو کیا منہ دکھائیں گے کہ ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ ایسا نہ ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا، ہوا پر ان کو قدرت دے دی تھی، جانوروں کی بولیاں انہیں سکھا دی تھیں، اب ہمیں موت آجائے کہ ہمارے نبی ﷺ کو ایسی کوئی چیز نہ عطا کی گئی..... کیا صرف عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سے ہی نعوذ باللہ ہی ﷺ کی توبہ ہوگئی! آخر یہ سب کیوں لکھا جا رہا ہے؟ فقط اس لیے کہ رفع باطل ثابت ہو جائے، عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت ہو جائے اور پھر مرزا قلعون کو نبی مان لیا جائے!

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۳ میں اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے لیے فرماتا ہے کہ ”ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔“۔ کس نبی کو کوئی معجزہ عطا فرمایا گیا کسی کو

کوئی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی نبی کو وہ معجزہ نہیں دیا گیا جو دوسرے نبی کو دیا گیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم تر ہے اور دوسرا زیادہ پیارا! یہ ساری ان کی اپنی گھڑی ہوئی جاہلانہ منطق ہے اور یہ منطق بھی صرف رفع صلی اللہ علیہ وسلم کی حد تک ہے اس کے آگے نہیں۔ معلوم ہوا کہ آج جو یہ بڑے خوش عصمت رسول اللہ ﷺ کے محافظ بن رہے ہیں، یہ سب ایک بہانہ ہے۔ انہوں نے خاتم النبیین محمد ﷺ کے بعد ایک جھوٹے شخص کو نبی مان کر عصمت رسول ﷺ کو تو تار تار کر ڈالا ہے اور ترانہ الاپ رہے ہیں عصمت نبی کا! اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کا رفع بیان فرمایا، یہ اس کے انکار ہی ہی نہیں، اس کی تضحیک بھی کرتے ہیں۔ نبی ﷺ کے فرمان لا نبی بعدی کو اپنی خود ساختہ تاویلات کی بھینٹ چڑھایا، نبی ﷺ نے نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بیان فرمایا تھا اسے بدل کر اپنے جھوٹے نبی پر چسپاں کر دیا اور اب بنے ہیں عصمت رسول ﷺ کے محافظ! کفار نے جب دیگر انہونی باتوں کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ آسمان پر چڑھ جائیں اور کوئی ایسی لکھی ہوئی تحریر لائیں کہ جس کو پڑھ کر ہمیں یہ یقین آجائے کہ آپ واقعی آسمان پر گئے تھے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر وحی فرمائی: ”اے نبی! ان سے کہہ دو پاک ہے میرا رب، کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے علاوہ بھی کچھ ہوں؟“ اس آیت میں کیا بتایا گیا ہے؟ یہی تاکہ یہ بات کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ خود آسمان پر چڑھ جائے۔ ساتھ ہی فرمادیا گیا کہ پاک ہے میرا رب، یعنی میں تو انسان ہوں میرے بس میں اس قسم کی چیزیں نہیں، مجھے ایسی کوئی طاقت نہیں عطا کی گئی، میں ماتحت الاسباب ہوں، میں کمزور ہوں لیکن میرا رب ان سب کمزوریوں سے پاک ہے، وہ ہر قسم کی طاقت رکھتا ہے، وہ چاہے تو مجھے آسمانوں تک اٹھا لے جائے۔ مکمل طور پر واضح اس آیت میں کوئی ایسی بات ہی نہیں، جس کو یہ بیان کرتے ہیں لیکن جن کے دلوں میں میڑھ ہے انہوں نے اس کا کیا قصائد بنا ڈالا! کفار مکہ اور پچھلی امتوں کے لوگ اس قسم کے مطالبات کرتے رہے ہیں، دیکھیں اللہ تعالیٰ نے کیا جواب دیا ہے:

قَالُوا يَا نُوثُفَ قَدْ جَاءَ لَنَا كَثْرٌ وَجَدْنَا نَفَاتِكُمْ عِنْدَ إِنْ كُنْتُمْ  
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (موم. ۳۳، ۳۴)

مِنْ الصُّبْحَيْنِ (هود: ٣٤، ٣٥)

”انہوں نے کہا اے نوح! تم نے ہم سے بہت جھگڑا کر لیا اب تو بس وہ عذاب لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے، اگر تو سچا ہے۔ (نوح علیہ السلام نے) کہا وہ تو اللہ ہی لائے گا۔“

وَالَّتِ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ



عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُم بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ اللّٰهِ قَلْبُكَ فَتَوَكَّلْ عَلَىٰ اللّٰهِ مُتَوَكِّلٌ (ابراہیم: ۱۱)

”ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم کچھ نہیں ہیں مگر انسان تم ہی جیسے، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ کوئی نشانی تمہارے لیے لے آئیں مگر اللہ کے حکم سے، اور مومن تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَنَّ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ (المومن: ۷۸)  
”اور کسی رسول میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ کوئی نشانی لے آتا مگر اللہ کے حکم سے۔“  
وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا آيَةٌ مِنْ رَبِّنَا فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوا  
إِنَّمَا يَنْتَظِرُ الْغَيْبُ لِلّٰهِ (يونس: ۳۰)

”اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس (نبی) پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے؟ کہہ دیجیے ہوئی ساری باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، سو تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔“

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا آيَةٌ مِنْ رَبِّنَا قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوا  
(الاعراف: ۳۷)

”کہتے ہیں اس (نبی) پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہیں ہوتی؟ کہو اللہ نشانی اتارنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔“

وَيَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا آيَةٌ مِنْ رَبِّنَا قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوا  
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (ہود: ۲۱)

”وہ کہتے ہیں اس (نبی) پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا، یا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ (اللہ فرماتا ہے) تم تو محض خبردار کرنے والے ہو، اور تمام چیزوں کا حوالہ دار اللہ ہے۔“

تو یہ ہے تشریح اس بات کی کہ

”اے نبی ان سے کہہ دو پاک ہے میرا رب، کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے علاوہ بھی کچھ ہوں؟“

کسی عذاب کا لانا، مجزے دکھانا، کسی انسان کو زندہ آسمان پر لے جانا..... کسی انسان کے بس کی بات نہیں، لیکن اللہ کے لیے یہ سب کام بہت آسان ہیں۔  
تاکہ وہ آیت میں مُبْتَلٰی دُرُفِی کے یہی معنی ہیں کہ ”وہ ہر کمزوری سے پاک ہے۔“

یہ کہتے ہیں: ”میں تو صرف ایک بشر ہوں اور کوئی بشر آسمان پر زندہ نہیں جاسکتا۔“ بتائیں کہاں لکھا ہے اس آیت میں کہ ایک زندہ انسان آسمانوں پر نہیں جاسکتا؟ بات تو یہ بیان کی گئی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت نہیں بخشی کہ میں

اپنے تئیں آسمان پر چڑھ جاؤں۔ جس سورۃ کا یہ حوالہ دے رہے ہیں اس سورۃ کی تو ابتدا ہی اس اعلان سے ہوئی ہے کہ

”پاک ہے وہ، جو لے گیا اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک، جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی نشانیاں دکھائے۔“

دیکھیں کس انداز میں اُس آیت کی وضاحت ہو گئی۔ ”پاک ہے وہ“ کہہ کر بتا دیا کہ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ قرآن کے اس بیان کی مکمل تفصیل اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے بیان فرما دی کہ کس طرح سواری پر سوار ہو کر، تمام آسمانوں پر گئے اور وہاں پنج وقتہ صلوٰۃ کا حکم ملا۔ یہ منکرین حدیث (درحقیقت منکرین قرآن) جسٹانی معراج کے انکاری ہیں، اس لیے یہ کہہ کر انہوں نے اپنے اس عقیدے کی ہی تائید کی ہے۔

جس آیت کا انہوں نے حوالہ دیا ہے اس آیت میں صرف آسمان تک جانے کا مطالبہ نہ تھا بلکہ زمین سے چشمہ جاری کر دینے کا مطالبہ تھا، کھجوروں اور انگوروں کے باغ اور اس میں بہتی نہروں کا بھی مطالبہ تھا، آسمان کے ککڑے کر دینے اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو بھی انکے سامنے لے آنے کا مطالبہ تھا۔ گویا ان کے استدلال کی رُو سے اب نہ تو زمین سے چشمہ جاری ہو سکتا ہے، نہ کھجور اور انگور کے باغ آگ سکتے ہیں، نہ ہی نعوذ باللہ رب تعالیٰ اور فرشتے ان کے سامنے آسکتے ہیں! کافروں نے کہتے ہی انبیاء علیہم السلام سے عذاب لے آنے کا مطالبہ کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جواب دے دیا کہ یہ ہمارے بس میں نہیں، تو ان کے فلسفے کے مطابق اب اللہ کا عذاب بھی نہیں آسکتا!

وہ رب، مالک کائنات ہے، ہر چیز پر قادر ہے، وہ اپنے بندے محمد ﷺ کو زندہ آسمانوں میں لے گیا، اسی طرح اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھایا جبکہ انہوں نے یہ عقیدہ بیان کیا کہ وہ زندہ چڑھ گیا حالانکہ وہ خود نہیں چڑھے بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھایا ہے: رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْنَا۔

پھر کہتے ہیں کہ

”کیا اس سے یہ نتیجہ نہ نکلے گا کہ مسیح علیہ السلام آدمی نہیں تھے بلکہ خدا تھے۔“

نبی ﷺ معراج کے موقع پر آسمانوں پر گئے، فرشتے اللہ کے پاس چڑھ کر اوپر جاتے ہیں، جن بھی آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، یہ سب نعوذ باللہ، کیا اللہ بن گئے؟ ایک لفظ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خصوصی طور پر استعمال کرتے ہیں کہ ”زندہ بیٹھا“ ہے۔ کہاں لکھی ہے یہ بات قرآن و حدیث میں؟ یہ تو عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ”وہ چڑھ گیا اپنے باپ کے پاس اور اس کے ساتھ بیٹھا ہے۔“ ہمارا ایمان



تو صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا ہے: **رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْنَا**۔

## لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ

قارئین! اب ہم آتے ہیں اس گمراہی کی طرف جو مذکور ماقبل قرآنی آیت

**وَلَا يَمُنُّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ** عَوِيذُ

**الْقَيْمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا**

کے حوالے سے پھیلائی گئی ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ اس آیت میں نزول عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف اشارہ ہے۔ اب جو رفع ہی نہیں مانتے تو وہ نزول پر کیسے ایمان لا سکتے ہیں؟ چنانچہ محمد ہادی نے لکھا ہے:

”اور ہر اصل کتاب اپنی موت سے پہلے اس پر یقین کر لے گا اور روز قیامت

ان پر گواہ ہوں گے، اس آیت میں **قَبْلَ مَوْتِهِ** میں ضمیر کا مرجع عیسیٰ (علیہ السلام)

کو قرآنی قرآن کی روشنی میں صحیح نہیں کیونکہ **وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ**

**شَهِيدًا** کا اگر یہ معنی کیا جائے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ان اصل کتاب پر گواہی دیں

گے تو یہ غلط ہے۔ اب جبکہ عیسیٰ (علیہ السلام) پر نزول کے بعد لوگ ایمان لائیں پھر

تو قیامت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ہوئی اور جب آپ ان لوگوں پر فصاحت بھی دیں تو

”خاتم النبیین“ آپ ضمیر سے نہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہ قرآن کے خلاف ہے نیز

گو وہی مجرموں پر دی جاتی ہے نہ کہ ایمان والوں پر۔ تو بات واضح

ہے کہ آیت میں ضمیر کتابی کی طرف راجع ہے نہ کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف،

آیت میں عیسیٰ (علیہ السلام) کے نزول کی کوئی بات ہی نہیں لیکن لوگ بغیر سوچے

سمجھے اللہ پر عزم کرتے ہیں۔“ (مقیہہ خاتم النبیین، صفحہ ۱۱)

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آخری محاذ تک یہ گروہ قادیانیوں ہی کے لیے

لڑ رہا ہے۔ جن باتوں میں قادیانیوں نے شک میں ڈالا ہوا ہے، موصوف ان

شکوک کو قرآن سے ثابت کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ”کا“ کی یہ ضمیر عیسیٰ

(علیہ السلام) ہی کے لیے ہے۔ آپ دیکھیں قرآن کی آیات میں تسلسل سے انبیاء کا

ذکر ہو رہا ہے: **وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ** اور یہ کہتے

ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا، **وَمَا قَتَلُونَاهُ** ”اور انہوں نے

اس کو قتل نہیں کیا، **وَمَا صَالَبُونَهُ** ”اور نہ اسے صلیب پر چڑھایا، **وَمَا قَتَلُونَهُ يَقِينًا** ”اور

یقیناً انہوں نے اسے قتل نہیں کیا، **بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْنَا**۔“ اسے اپنی طرف اٹھا

لیا، **لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ** ”البتہ اس پر ایمان لے آئے گا، **قَبْلَ مَوْتِهِ** ”اس کی موت سے

پہلے، **وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا** ”اور قیامت کے دن وہ اس پر گواہ ہوں

گے۔“

اسی ان آیات میں پورے ربط اور تسلسل سے کس کا ذکر کیا جا رہا ہے؟

کس کے لیے دعویٰ کیا گیا تھا کہ اسے ہم نے قتل کر دیا؟ کس کے لیے اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ نہ انہوں نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اسے صلیب پر چڑھایا ہے؟ پھر

شدید انداز میں ایک بار پھر کس کے قتل (موت) کی نفی کی گئی؟ کس کے لیے کہا

گیا کہ اللہ نے اسے اٹھالیا ہے؟ کس کے لیے فرمایا گیا کہ ہر اہل کتاب اس پر

ایمان لے آئے گا؟ کون ان کے ایمان لانے کی گواہی قیامت کے دن دے گا؟

”کا“ کی یہ ساری ضمیریں عیسیٰ (علیہ السلام) ہی کی طرف نسبت کرتی ہیں۔ واضح ہوا

کہ **قَبْلَ مَوْتِهِ** کے الفاظ عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت کے لیے ہی ہیں اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

بھی یہی تفسیر بیان کی ہے جیسا کہ بخاری، کتاب التفسیر کے حوالے سے اوپر

ثابت کیا گیا ہے۔

اب اگر موصوف کا یہ عقیدہ ہے کہ ”کا“ کی یہ ضمیر اہل کتاب کے لیے ہے

تو پھر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے ان (عیسیٰ (علیہ السلام))

پر ایمان لے آئے گا۔ گویا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے سے لے کر آج تک جتنے

بھی اہل کتاب مرے ہیں وہ سب ایمان دار تھے! کوئی اہل کتاب کفر و شرک کی

حالت میں نہیں مرا۔ پھر تو یقیناً موصوف نے حال ہی میں وفات پانے والے

باب بیان پال کی تراز جنازہ ضرور باجماعت ادا کی ہوگی کہ ایک مومن کا

دوسرے مومن پر حق بنتا ہے!

خیر ہے کہ اس بات کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی پتہ تھا کہ ہر اہل کتاب اپنی موت

سے پہلے مومن بن جاتا ہے۔ وہ تو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے وہ کیوں زحما

کرتے ان مومنوں کی مغفرت کے لیے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

مومن کے لیے ہستریح ”یہ آرام پا گیا“ اور کفار کے لیے ہستراح

”زمین اس سے آرام پا گئی“ فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تو یہود و

نصارائی پر لعنت بھیج رہے ہیں اور موصوف ان کو مومن بنا رہے ہیں! گویا اس

بارے میں جو علم ان لوگوں کو ہے وہ نعوذ باللہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک نہیں پہنچا تھا۔ نعوذ باللہ

وہ مومنوں کو کافر ہی سمجھتے رہے! نہ کبھی ان کے جنازے پڑھے نہ تدفین میں شرکت کی!

ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔ اگر یہی عقیدہ بنایا جائے کہ ہر اہل کتاب

اپنی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آتا ہے تو قرآن کے اس بیان کو کہاں لے

جائیں گے کہ وہ قیامت کے دن ان کے اس ایمان کی گواہی دیں گے؟ بقول ان

کے عیسیٰ (علیہ السلام) تو وفات پا چکے۔ وفات شدہ لوگوں کا اس دنیا سے کوئی تعلق

رہتا ہی نہیں۔ یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) کو پتہ بھی نہیں ہوگا کہ کون کون (بقول ان کے)

میری موت کے بعد مجھ پر ایمان لایا تھا۔ جب عیسیٰ (علیہ السلام) کو پتہ ہی نہیں تو وہ ان



ان کی عبرت کے لیے قرآن کی ایک آیت پیش کریں گے جس میں رسول اللہ ﷺ کی مومنوں پر گواہی کا ذکر کیا گیا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ آيَةً وَمَسْأَلَتُكُمْ لَكُمْ هَذِهِ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ حَافِظًا (البقرة: ۱۲۳)

”اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط (بہترین امت) بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں۔“

کیا یہ علامہ صاحب مومنوں بشمول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مجرم قرار دیں گے؟ سورہ آل عمران کی آیت ۵۳ جو اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے، اس بات کو مکمل طور پر واضح کرتی ہے:

”جب عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) کی طرف سے محسوس کیا کہ وہ کفر پر آمادہ ہیں تو کہا: کون ہے اللہ کی راہ میں میرا مددگار؟ خوار یوں نے کہا ہم ہیں اللہ کی راہ کے مددگار ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ گواہ ہیں کہ ہم اللہ کے فرما تہر دار ہیں۔“

یہاں بتایا گیا ہے کہ خوار یوں نے کہا کہ آپ ہمارے ایمان لانے پر اللہ کے ہاں گواہی دیجیے گا کہ ہم مسلم تھے۔ قرآن کے اس واضح بیان کے بعد کیا کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھ سکتا ہے جو موصوف بیان کر رہے ہیں؟

اسی آیت کے حوالے سے علامہ عبادی بھی کچھ کہتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

”اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ واقعی اہل کتاب ہیں یعنی اپنی کتاب کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور اپنی کتاب (انجیل) پر ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان ان کو مجبور کرے گا کہ وہ مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کے قتل و تعلیب کے عقیدے سے توبہ کر لیں اور ان کے قتل نہ کئے جانے اور سولی نہ دیئے جانے پر ایمان لے آئیں اور اس پر ایمان رکھنے لگیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اگلے انبیاء علیہم السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔ یعنی اللہ نے ان کو وفات دی اور انہوں نے وفات پائی۔“

یعنی، یعنی کی بھرا کسی الجھے ہوئے ذہن کی عکاسی کر رہی ہے اور یہ سب اس لیے ہے کہ باطل عقیدے کی تائید کے لیے قرآن کی من پسند تاویل کی جائے ورنہ کوئی صاف ذہن والا انسان اس آیت کا ایسا مطلب ہرگز اخذ نہیں کر سکتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ علامہ صاحب نے کونسی کتاب کی تلاوت کا کہا ہے۔ اگر اس کتاب سے ان کا مقصد وہ اصل انجیل ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی تو آج کے دور میں نہ تو اصل انجیل ہے اور نہ ہی کوئی سچا اہل کتاب۔ اگر کسی سچے اہل کتاب کے پاس اصل انجیل کا نسخہ موجود بھی ہو تو چونکہ واقعہ صلیب جیسا بھی ہے، بہر طور

کے ایمان کی گواہی کیسے دیں گے؟ کہاں لے کر جائیں گے یہ لوگ کتاب اللہ کی باتوں کو!

اللہ کے فرمان کو ”باطل“ ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے تو وہ پھر نبی ﷺ کے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کے امتی ہوئے اور خاتم النبیین محمد ﷺ نہیں عیسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ قادیانیوں اور منکرین حدیث سے یہ پوچھا جائے کہ اہل کتاب کا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہیں تو غالباً اس کا کوئی علم ہی نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو حدیث رسول ﷺ کو رد کرنے کے لیے ہی قرآن کی آیات کی غلط تاویلات کرتے ہیں۔ آئیے اس بابت حدیث رسول کا مطالعہ کریں:

عَنْ قَالَ أَتَيْتُهُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَدُّهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنْ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَابْنُ مَرْيَمَ وَحَلِيمَةُ الْفَقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَزَوْجُ بَنِي وَأَنَّ الْمَجِيئَةَ حَقٌّ وَأَنَّ النَّارَ حَقٌّ أَذْخَلَهُ اللَّهُ مِنَ الْآبَاءِ الْمَجِيئَةَ الثَّمَانِيَةَ شَاءَ (مسلم: كتاب الامانة باب الدليل على ان قطع)

”نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ عیسیٰ اس کے بندے اور اس کی باندی (مریم) کے بیٹے ہیں، اور پیدا ہوئے اس کلمے سے جو اللہ نے مریم کی طرف اتارا، کیا، اور روح اللہ ہیں! اور (جس نے کہا کہ) بیشک جنت حق ہے اور جہنم حق ہے، تو اللہ اسے جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہے گا داخل فرمادے گا۔“

اس بارے میں جو گمراہی ان لوگوں نے پھیلانے کی کوشش کی تھی، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کا جواب چودہ سو سال پہلے دے دیا تھا، لیکن جن کا دل ہی اندھا ہو چکا ہو وہ ہدایت کا راستہ کیسے پاسکتے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں ان سے پوچھا جائے کہ کون ہے خاتم النبیین، یہ کس کی امت ہوئی؟

پھر انہوں نے مزید جو لکھا ہے اسے پڑھ کر تو ہم لرز ہی گئے۔ لکھا ہے:

”نیز گواہی مجرموں پر دی جاتی ہے نہ کہ ایمان والوں پر“

استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ کیا حوصلہ ہے ان کا! خالق کائنات، رب العالمین، جنت و جہنم کا بنانے والا فرمائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب کے ایمان لانے کی گواہی دیں گے اور یہ اللہ کی بات جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ گواہی ایمان والوں پر نہیں مجرموں پر دی جاتی ہے! انہوں نے تو کفار مکہ کو بھی مات دیدی۔ ہم اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں کہ اس پر کوئی تبصرہ کریں۔ البتہ



قیامت کے دن تک رہے گی۔ یہ قرآنی آیات فیصلہ کرتی ہیں کہ جو شخص  
مر جاوے وہ قیامت سے پہلے دنیا میں نہیں واپس آ سکتا۔  
(حضرت مسیح مہدی کا وصال، صفحہ ۲۱۰)

بے شک یہی ہے اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ قانون اور ہمارا ایمان ہے کہ بالکل ایسا ہی  
ہوتا ہے: جسے موت آ جائے وہ قیامت سے قبل اس دنیا میں واپس نہیں آ سکتا۔  
لیکن موت وہ ہے جسے اللہ بیان کرے، وہ نہیں جو محض گھڑ لی جائے۔ مالک  
کائنات نے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اسی لیے بیان کیا ہے کہ ان کو موت نہیں آئی  
بلکہ ان کا رفع ہوا ہے اور نزول کے بعد ان کو بھی موت آئے گی۔

### عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں

دیکھیں یہ لوگ اس موضوع پر کیا فرماتے ہیں

”وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ لِسَانَهُ“ (زخرف آیت ۲۱) اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت  
کے لئے دلیل ہیں۔ یہاں لوگوں نے علم کو غلم بنا دیا۔ علم کے معنی  
جاننا، پہچانا اور دلیل کے ہیں جبکہ غلم کے معنی ہیں جھنڈا، نشان۔ یہاں  
مشرکین مکہ سے خطاب ہے چونکہ وہ قیامت کے منکر تھے اور اہل کتاب کے  
بتلانے کی وجہ سے وہ یہ سمجھتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ کے بیٹے  
تھے کیوں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔  
مشرکین مکہ کو سمجھایا جاتا ہے کہ وہ اللہ کا بیٹا نہیں بلکہ وہ اللہ کا بندہ تھا۔ اللہ نے  
اس پر انعام کیا تھا اب جبکہ تم قیامت کا انکار کرتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ جب عیسیٰ  
علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے، اور اللہ نے اسی بندے کے معجزے  
سے مردے زندہ کئے تو وہی اللہ اپنی مخلوق کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتا۔  
قیامت کے وقوع کی دلیل مانگتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے آنے کیلئے  
دلیل ہے۔ محمد بن عبد الوہاب اپنی کتاب مختصر سیرۃ رسول اللہ ﷺ میں لکھتے  
ہیں (وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ لِسَانَهُ فَلَا تَمْتَرُونَ بِهَا) اسی ما وضعت علی

بدیہ من الايات و من احياء الموتى و ابراء الاسقام، و كفى به  
دليلا على علم الساعة فلا تمترون بها و اتبعون (مختصر سیرۃ  
الرسول ص ۱۲۷) ترجمہ: (اور یقیناً وہ قیامت کے لئے دلیل ہیں پس اس  
قیامت کے آنے میں شک نہ کرنا) یعنی آپ کے ہاتھوں پر جو نشانیاں  
(یعنی معجزات) دیئے گئے، مردوں کا زندہ کرنا اور بیماروں کو تندرست کرنا  
اور قیامت کے لئے کافی دلیل ہے پس قیامت کے آنے میں شک نہ کرنا اور  
میری پیروی اختیار کرنا بات بس اتنی سی ہے۔ اب قرآن کے الفاظ میں

نزول انجیل کے بعد کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی تلاوت سے کسی سچے اہل کتاب  
کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ اس واقعہ کی حقیقت تک پہنچ سکے۔ جب حقیقت  
یہ معلوم نہ ہوگی تو سچا اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کے قتل و صلیب کے مروجہ عقیدے  
سے کیونکر تائب ہوگا۔ اور اگر اس کتاب سے موصوف کی مراد وہ انجیل اور بعد  
ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھی گئی ہیں تو ان کی تلاوت سے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل  
و صلیب کے مروجہ عقیدے کو اور تقویت ملتی ہے کیونکہ یوحنا کی انجیل میں صاف  
لکھا ہے کہ یسوع نے صلیب پر جان دی اور مسیحی کی انجیل میں تو واقعہ صلیب  
شروع سے آخر تک بڑے ہی دردناک انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ بالخصوص اس  
کی یہ عبارت تو بہت ہی گرہناک ہے، ملاحظہ فرمائیے:

”اور دو پہر سے تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ اور  
تیسرے پہر یسوع نے چلا کر کہا: ایللی، ایللی لما شقتی یعنی اے  
خدا، اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ جو لوگ وہاں کھڑے تھے ان  
میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے اور فوراً ان میں سے ایک  
شخص دوڑا اور سٹیج لے کر سرکہ میں ڈبوایا اور سرکٹھ سے پر رکھ کر اسے  
پنسا یا۔ مگر باقیوں نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں تو ایلیاہ اسے بچانے آتا  
ہے یا نہیں۔ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی۔ اور  
مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور زمین لرزی  
اور چٹانیں ترک گئیں اور قبریں کھل گئیں۔“

(سنی کی انجیل، باب ۲۷ آیات ۴۵، ۵۳: کتاب مقدس، شائع کردہ نیکل سوسائٹی، لاہور)

بتائیے! دل دہلا دینے والی یہ عبارت پڑھ کر کون اہل کتاب ہوگا جو یہ تسلیم کرے گا  
کہ عیسیٰ علیہ السلام نے طبعی موت سے وفات پائی۔ اس سے تو اہل کتاب کا یہ عقیدہ  
اور پختہ ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر جان دی۔ چنانچہ عمادی کا یہ  
مفروضہ قطعاً غلط ہے۔ یہ مفروضہ تو محض اٹکل بچہ ہے۔ قرآن کے الفاظ اس  
مفروضے کے متحمل نہیں ہیں۔

مرزا غلام احمد کا ایک پیروکار لکھتا ہے:

”وَحَدَّثَنَا عَلَى قَوْلِكَ أَهْلُ كُنْهَاتِ الْكَلَامِ لَا يَرْجِعُونَ“ (سورۃ الانبیاء بارہ  
آیت ۹۵) یعنی جن لوگوں کو ہم مارویجے ان پر حرام ہے کہ وہ اس دنیا کی  
طرف واپس لوٹیں۔“

پھر فرماتا ہے:

”وَمِنْ ذَٰلِكَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ يَوْمِ لَٰكِنَّهُمْ لَا يَصْعَدُونَ“ (سورۃ المؤمن آیت ۱۰۱) یعنی جو  
لوگ مرجاتے ہیں ان کے اور اس دنیا کے درمیان ایک روک ہو جاتی ہے جو



تبدیلی کرنا کون سا اسلام ہے۔ بقول کے خود تو بدلتے نہیں قرآن کو بدل

دیتے ہیں۔“ (عقیدہ خاتم النبیین صفحہ ۱۲-۱۳)

علامہ صاحب کا نام تو ہادی یعنی ہدایت کرنے والا ہے، مگر کام وہ اس کے برعکس کرتے ہیں۔ گمراہ کرنے کی اپنی ساہقرہ روش انہوں نے یہاں بھی برقرار رکھی ہے۔ کتنی سادگی سے کہہ گئے کہ مشرکین مکہ قیامت کے انکار ہی تھے اور اہل کتاب کے بتلانے کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے کیوں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اپنی اس عبارت میں دراصل انہوں نے یہ بتانا چاہا ہے کہ نصاریٰ کے کہنے پر مشرکین مکہ کا بھی وہی عقیدہ تھا جو عیسائیوں کا تھا۔ حیرت ہے ان کے اس بیان پر انہی علیہ السلام جو ان ہی کی قوم کے تھے، جن کو وہ صادق اور امین کہتے تھے، ان کے کہے کو تو ان لوگوں نے رد کر دیا اور اہل کتاب نے صرف ایک بات آکر کبھی اور سارے کے سارے اس پر ایمان لے آئے۔ کوئی عقیدہ آدمی اس جھوٹی کہانی پر کیسے یقین کرے گا؟ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ مشرکین مکہ کا یہ عقیدہ بالکل نہیں تھا بلکہ وہ تو اپنے خود ساختہ معبودوں کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کو کوئی حیثیت ہی نہ دیتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَمَا ضَرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مِثْلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۖ وَكَالْوَلَاءِ  
لَمِنَّا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ الْأَجْدَلُ أَتَيْلُ هُمْ قَوْمٌ خَصِصُونَ ۖ  
إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مِثْلًا لِّلْبَنِيِّ إِنْ أَرَادَ بَلًا  
لِّجَعَلْنَا مِنْكُمْ فِئَكَةً فِي الْأَرْضِ تَغْلِبُونَ ۖ وَآيَاتُ لِّعَلَّكُمْ تَسْتَعِزُّوْنَ  
تَمَتَّنَ فِيهَا وَاتَّخِذُوا هَذَا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٥٤-٥٦﴾ (الزحرف ٥٤-٥٦)

”اور جب ابن مریم کی مثال دی گئی تو تمہاری قوم کے لوگ جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا یہ۔ اور یہ مثال انہوں نے اس لیے دی تھی کہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اور یہ ہیں ہی جھگڑا کرنے والے۔ ابن مریم محض ہمارا ایک بندہ تھا ہم نے اسے خوب نوازا تھا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے مثال بنا دیا تھا۔ ہم چاہیں تو تم میں سے فرشتے پیدا کر دیں جو زمین پر تمہارے چائین بنیں۔ اور بے شک وہ (عیسیٰ) قیامت کی نشانی ہے۔“

اس بارے میں ہرگز شک نہ کرو اور میری اتباع کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔“

ملاحظہ فرمایا کہ جب مشرکین مکہ کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا تو وہ جھگڑا کرنے لگے اور طنز یہ کہنے لگے کہ ان سے اچھے تو ہمارے معبود ہیں۔ اب یہ علامہ صاحب بتائیں کہ مشرکین مکہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے معجزات کی کیا حیثیت تھی؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کہانیاں لوگوں کو کہاں سے مل جاتی ہیں!

پھر لکھا ہے کہ

”یعنی آپ کے ہاتھوں پر جو نشانیوں (یعنی معجزات) دیئے گئے“

دیکھا آپ نے! انہیں بھی معلوم ہے کہ یہاں ”دلیل“ نہیں ”نشانی“ کا ہی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن کی بیان کردہ نشانی (عیسیٰ علیہ السلام کی ذات) کے بجائے (ان کو عطا کردہ) معجزات کو نشانی قرار دے ڈالا، اور اس کے لیے الایات کا لفظ استعمال کیا!

ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے کہ سورہ زحرف (جس میں عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی نشانی بتایا گیا ہے) کی سورہ ہے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر سورہ آل عمران آیت ۱۳۹ اور سورہ مائدہ آیت ۱۱۰ میں کیا گیا ہے جو کہ مدنی سورہ ہیں۔ یعنی جس بات کو موصوف وکیل بنا رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات قیامت کا علم ہیں، ان معجزات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ابھی تک کوئی آیت نازل ہی نہیں فرمائی تھی، یعنی مشرکین مکہ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کن کن معجزات سے نوازا ہے لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ انہی معجزات کو قیامت کا علم بنا دیا گیا! اب آپ کو یقین آ گیا ہوگا کہ منکرین حدیث کے پاس جھوٹ اور غلط تاویلات کے علاوہ کچھ نہیں۔

پھر لکھا ہے

”..... جبکہ تم قیامت کا انکار کرتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ جب عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے۔“

عیسیٰ علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا تھا، لیکن آدم علیہ السلام تو بغیر ماں باپ کے پیدا کیے گئے،..... کوئی دلیل زیادہ قوی ہے قیامت کے لیے! اپنی اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ بات کو ایک بار پھر رد کرنے کی جسارت کی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی نہیں ہیں کیونکہ قیامت کی نشانیاں آچکی ہیں فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَتْرَافَهُمْ فَالْيَوْمَ لِيُذَاقَهُ تَتْمِيمُ ذِكْرٍ لَهُمْ (محمد آیت ۱۸) اب تو یہ لوگ قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ ناگہاں ان پر واقع ہو، اس کی نشانیاں (واقع میں) آچکی ہیں۔ پھر جب ان پر نازل ہوگی اس وقت انہیں سمجھتے کہاں فائدہ دے گی۔ قیامت کی نشانیاں آگئی ہیں اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید اور شق القمر ہیں قیامت کا آنا چاہک ہے تو قیامت کا نزدیک ہونا یا دور ہونا بھی اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں: قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقْرَبُ حَاقُّوْعِدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَنَا رَاقِيًا أَمَدًا (جن: ۲۵) کہہ دیجئے کہ جس (دن) کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ نزدیک ہے یا میرے رب نے اس کے لئے مدت دراز کر دی ہے۔“ دیکھئے



نبی ﷺ کو تو قیامت کی نزدیکی یاد دہانی کا علم نہیں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قائلین کو علم ہے کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام نہیں آئیں گے قیامت دور ہے۔ وہ آجائیں تو قیامت قریب ہو جائے گی۔ (ایضاً صفحہ ۱۳)

دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ قیامت کی نشانی ہیں اور اللہ کے فرمان کے مقابلے میں ان موصوف نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو تو رو کر دیا اور یہ عقیدہ دیا کہ نہیں اور قیامت کی نشانی نہیں ہیں! انہوں نے تو اپنے فیصلے میں حدیث میں بیان کردہ تمام صحابیوں کا انکار کر دیا۔

قرآن مجید میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ دیا گیا اور اس کی وضاحت احادیث نبوی ﷺ سے فرمادی گئی۔ لیکن ان منکرین حدیث کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھائی۔ انہوں نے تو فیصلہ کیا ہوا ہے کہ کسی بھی حالت میں نبی ﷺ کے ان فرامین کو جھوٹ ثابت کیا جائے۔ سخت کوششوں کے بعد کچھ قرآنی آیات جمع کی گئیں تاکہ ان کی من مانی تاویل کے ذریعے ان احادیث کو غلط ثابت کیا جاسکے۔ اپنے تئیں پھولے نہ سارے ہوں گے کہ آخر کار ہم نے کامیابی حاصل کر لی۔ انہی احادیث کو غلط ثابت کرنے کے لیے یہ فرماتے ہیں:

”عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قائلین کو علم ہے کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام نہیں آئیں گے قیامت دور ہے۔ وہ آجائیں تو قیامت قریب ہو جائے گی۔“  
بخاری میں بیان کردہ روایت میں نبی ﷺ کے یہ الفاظ بیان کیے گئے ہیں:  
”قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ تم میں عیسیٰ نازل نہ ہو جائیں۔“  
(بخاری: کتاب المظالم، باب کسر الصلیب و قتل الخنزیر)

مسلم میں روایت آئی ہے کہ

”قیامت ہرگز اس وقت تک نہ آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہیں دیکھ لو گے۔ پھر آپ نے ذکر کیا: خان کا اور وصال کا اور آپ اارض کا (یعنی زمین سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا) سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ یعنی علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے۔ یا جوج ماجوج نکل پڑیں گے۔“ (مسلم: کتاب الفتن و الاشرار المساعدا)

موصوف سے سب سے پہلے یہ پوچھا جائے کہ کس نے کہا ہے کہ قیامت اچانک نہیں آئے گی؟ کس حدیث میں یہ الفاظ بیان کیے گئے ہیں؟ اگر یہ لوگ نبی ﷺ کے فرمان محض اس بات پر رو کر رہے ہیں کہ حدیث نبوی میں قیامت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں تو قرآن بھی قیامت کی نشانیاں بیان کرتا ہے۔ اگر حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں تو یہ بات قرآن نے بھی بیان فرمائی ہے لیکن انہوں نے اس حدیث کا انکار کرنے کے لیے قرآن کا بھی انکار کر

۱۱۱! حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کی نشانی میں یہ بھی ہے کہ زمین سے جانور نکلے گا، تو یہ بات قرآن کی سورہ نمل آیت نمبر ۸۲ میں بھی بیان کی گئی ہے۔ حدیث بیان کرتی ہے کہ یا جوج ماجوج قریب قیامت لٹکیں گے تو قرآن بھی سورہ کہف آیت نمبر ۹۸، سورہ انبیاء آیت نمبر ۹۶ میں اسی بات کو بیان کرتا ہے۔ حدیث بتاتی ہے کہ قریب قیامت زمین میں گڑھے پڑ جائیں گے تو قرآن بھی ایسی بات بیان کرتا ہے کہ مسلسل زلزلے آئیں گے (سورہ الزلزلہ: ۶، الزلزال: ۱)۔ صاف ظاہر ہے کہ ان احادیث کا انکار قرآن کی ان متعدد آیات کا انکار ہے۔

انہوں نے جو آیات پیش کی ہیں ان سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قیامت قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ چودہ سو سال قبل فرمائے کہ قیامت کی نشانیاں آئیں گی، تو اس کا مطلب ہے وہ بھی قیامت کی نشانیاں ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے بعد کوئی اور نشانی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ قمر میں فرمایا: قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ اب کوئی سر پھرا کہنے لگے کہ قیامت تو اس آیت کے نزول کے چند سو سال کے بعد بھی نہیں آئی۔ کیا مطلب ہے اس آیت کا؟ یہ قرآن کا ادنیٰ انداز ہے کہ قیامت قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا وقت بتا دیا جیسا کہ موصوف نے اپنی تحریر میں لکھا ہے۔

قرآن وحدیث نے عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی نشانی بتایا ہے تو اس کا سیدھا اور واضح مطلب یہ ہے کہ قریب قیامت ان کا نزول ہوگا۔ یہ نزول کب ہوگا اس کا کوئی وقت نہیں بتایا گیا۔ اس کا بھی کوئی علم نہیں کہ ان کے نزول و موت کے کتنے عرصہ کے بعد قیامت آئے گی۔ یہ سب کچھ ان لوگوں کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے ورنہ کتاب اللہ کا بیان تو واضح ہے۔

احادیث میں یہ بھی بتایا گیا کہ جزیرۃ العرب میں جنگ ہوگی اور مسلمان فتح حاصل ہوگی، فارس اور روم میں جنگ ہوگی اور فتح مسلمان ہی کی ہوگی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں یہودیوں سے لڑائی ہوگی اور کشت یہودیوں کا مقدمہ بنے گی۔ یہی وہ وقت ہے کہ جس کے لیے مالک کائنات نے فرمایا کہ

”اللہ نے لکھ دیا ہے کہ وہ اور اس کے رسول ضرور غالب ہو کر رہیں گے۔“

رسول اللہ ﷺ کی حدیث نے اس بات کی مزید وضاحت فرمادی کہ یہ معاملہ قریب قیامت ہوگا۔ اسلام کے اس مکمل یقین کے بعد اللہ تعالیٰ تمام مومنین و مسلمان کو موت دے دے گا۔ اور پھر باقی بچا جانے والے اپنے اپنے دین پر واپس پھر جائیں گے، انہی پر قیامت کا عذاب مسلط ہوگا۔ اب چونکہ یہ سارے معاملات نزول عیسیٰ علیہ السلام والی احادیث میں بیان کیے گئے ہیں تو اب ان



مکرمین حدیث نے اپنا حق سمجھا کہ وہ انہیں رو کر دیں۔ چنانچہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶، ۱۷ پر سورہ آل عمران آیت ۵۵ اور سورہ بقرہ آیت ۶۳، ۶۴ پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کی رو سے قیامت کے دن تک یہودی، عیسائی اور مسلم سب رہیں گے۔ گویا مذکورہ حدیث قابل رد ہے!

احادیث سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے اس مکمل غلبے کے بعد تمام مسلمین کو موت آجائے گی۔ پھر جو باقی بچیں گے وہ اپنے دین پر واپس پھر جائیں گے۔ یہودی، یہودیت اختیار کر لیں گے اور بچے ہوئے عیسائی، دوبارہ نصرانی بن جائیں گے۔ اس حوالے سے قرآن اور احادیث میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن جو بات موصوف نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلم بھی قیامت کے دن تک موجود ہوں گے، یہ قرآن اور حدیث کے عقیدے کے مطابق نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ”اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر حاوی رکھوں گا جنہوں نے انکار کیا ہے۔“ گویا مومن بھی قیامت کے دن تک رہیں گے! آئیے اس بارے میں کتاب اللہ سے رجوع کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ (الزمر: ۸۴)

”اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت آئے گا تو ہم زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔“

یہ بات کرنے کی ذمہ داری وہ جانور اس لیے پوری کرے گا کہ کوئی مومن اس وقت زمین پر زندہ ہی نہیں بچے گا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں واضح کیا گیا۔ کیوں نہیں بچے گا؟ یہ بھی حدیث میں بتایا گیا کہ جو بچیں گے وہ سب سے برے لوگ ہوں گے اور وہی عذاب قیامت سے دوچار ہوں گے یعنی انہی پر قیامت قائم ہو گی۔ اللہ کا عذاب کن پر آتا ہے اس بارے میں اللہ کا قانون بھی سن لیں:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (الاحقاف: ۳۳)

”اور اللہ ان کو عذاب دینے والا نہ تھا جبکہ (اے نبی ﷺ) آپ ان کے درمیان تھے اور نہ ہی اللہ ان پر عذاب بھیجتا ہے جب کہ وہ اللہ سے استغفار کر رہے ہوں۔“

تو یہ ہے اللہ کا قانون کہ وہ اس جگہ عذاب نازل نہیں کرتا جہاں صحیح معنوں میں

لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہوں۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی قوموں پر عذاب بھیجنے کا ذکر ہے لیکن اس عذاب سے پہلے ہی انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو ان بستیوں سے نکال لیا گیا ہوتا تھا۔

اس بات کو بیان کرتے ہوئے کسی دلیل دینے کی ضرورت نہیں کہ قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدترین عذاب ہے۔ زمین کے ایک ایک چپے پر یہ عذاب نازل ہوگا۔ یہ عذاب صرف ان لوگوں پر نازل ہوگا جو اس کا کفر کرنے والے ہوں گے۔ لہذا اس عذاب کے آنے سے قبل ہی تمام مومنین و مسلمین کو موت دے دی جائے گی۔ اب جبکہ کوئی مومن باقی نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ زمین سے ایک جانور نکالے گا جو لوگوں کو یہ حق بات بتائے گا۔ جانور کا کلام کرنا اس بات کی ایک بڑی دلیل ہے کہ اس وقت کوئی انسان ایسا نہ ہوگا جو لوگوں کو یہ بات بتائے۔

اب جو اللہ کا فرمان ہے کہ ”(اے عیسیٰ علیہ السلام) تیرے قہقین کو قیامت تک ان پر حاوی رکھوں گا“ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ قرب قیامت ہی ایسا ہوگا کیونکہ جب اللہ کا دین غالب آجائے گا تو دنیا میں کوئی اور دین نہ رہے گا۔

موصوف نے اسی سلسلے میں سورہ الانعام کی ایک آیت کی دلیل بھی دی ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ بَعْضُ إِيَّتِكَ لَأَيِّنْفَعُنَا أَنفُسَنَا إِنَّمَا هِيَ كَأَنَّمَا كُنَّا مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِنَا خَيْرًا (الانعام: ۵۸)

”اس دن جب تمہارے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہ لایا ہوگا اس وقت اس کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا، یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی خیر نہ حاصل کیا ہو۔“

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موصوف کا جھوٹ کس طرح انہی کے منہ سے نکلوا دیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ

”عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی نہیں ہیں کیونکہ قیامت کی نشانیاں آچکی ہیں“

اب یہاں آیت پیش کی جا رہی ہے کہ جب تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آجائیں گی تو ..... دراصل اس جگہ انہوں نے یہ ثابت کرنا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی نہیں، تو وہاں موصوف نے لکھا کہ اب قیامت کی کوئی نشانی نہیں آنے والی، اور اس جگہ انہوں نے یہ ثابت کرنا ہے کہ حدیث جھوٹی ہے اور مسلم و مومن قیامت تک موجود ہوں گے، تو دلیل دے رہے کہ اللہ کی چند نشانیاں آجائیں گی! اچھا کہا ہے کسی نے کہ ”سبح و دروغ گورا حافظہ باشد“

جن کے دلوں پر اللہ کی مہر لگ جائے ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ لیکن اس آیت کو پیش کرنے کے باوجود یہ اب بھی ناکام و نامراد ہی رہے۔ ان کی پیش کردہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کفر لوگ اللہ کی نازل کردہ ان نشانوں کو دیکھ کر ایمان لانا



چاہیں گے لیکن اب ایمان لانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ ان کا فروں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہوں گے جو دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہوں گے لیکن کوئی بھی نیکی ان کے اعمال نامہ میں نہیں ہوگی، تو ایسے لوگوں کو بھی اس دن کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔ موصوف چونکہ قرآن فہمی سے لابلہ ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب تو سمجھ نہ سکے مگر خوشی سے اچھل پڑے کہ یہاں ایمان والوں کا ذکر ہے لہذا بزمِ خویش حدیث کا رد ہو گیا! چہ خوب۔

قرآن مجید میں دو ایسے گروہوں کا ذکر ملتا ہے جو دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ ان کے اعمال کا کوئی بدلہ ان کو نہیں ملے والا:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهْمًا ۖ قُلُونَ (سورہ ۱۰۹)

”اور ان لوگوں کی اکثریت اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی مشرک ہے۔“

وَمِنَ الثَّالِثِينَ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (البقرہ: ۸)

”اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہوتے۔“

یہ ہیں وہ لوگ کہ جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ایمان میں شرک و خفاق کی وجہ سے کوئی بھی نیکی حاصل نہیں کر پاتے۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کی خاص نشانیاں آجائیں گی اور یہ ایمان خالص کی طرف پلٹنا چاہیں گے تو وقت نکل چکا ہوگا۔ تو یہ ہیں وہ لوگ جنہیں موصوف ”مومن“ کہتے ہیں۔ ان کی تحریریں آپ کے سامنے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی ایسے ہی ”مومن“ ہیں۔

صفحہ نمبر ۱۵ پر لکھتے ہیں:

”قرآن مجید میں کہیں بھی عیسیٰ (علیہ السلام) کا آسمانوں پر زندہ اٹھایا جانا اور پھر آپ کا دوبارہ آنا ثابت نہیں بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح وقایع ثابت ہے۔“

قارئین! ان کی اس یادہ گوئی پر ہمیں ایک لطیفہ یاد آیا جو ہم نے کہیں سنا تھا۔ ایک شخص نے کسی سے یہ شرط لگائی کہ اونٹ کی ذم نہیں ہوتی۔ اپنی بیوی سے اس نے اس کا ذکر کیا۔ بیوی کہنے لگی تم تو پہلے ہی نکلتے تھے اور شرط بھی لگائی تو ایسی جو یقیناً ہار جاؤ گے، اس لیے کہ اونٹ کی تو ذم ہوتی ہے، اور وہ تمہارے ہاتھ میں اس کی ذم پکڑو اگر اس کا ثبوت دے دیں گے۔ کہنے لگا، ہاں پکڑو ادیس، لیکن میں مانوں گا ہی نہیں بس یہی کہتا رہوں گا کہ یہ تو اونٹ ہے، یہ تو اونٹ ہے..... تو یہی حال موصوف کا ہے، آپ قرآن کی کتنی ہی آیات اور بھی پیش کر دیں، یہ

”دست“ ”دست“ کی رٹ ہی لگاتے رہیں گے!

ان روایات کو مزید رد کرنے کے لیے موصوف رقمطراز ہیں:

”اگر عیسیٰ کے نزول کی روایات نہ ہوتیں تو ہر کوئی سمجھتا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح عیسیٰ (علیہ السلام) بھی وفات پا گئے ہیں۔“

ہر کوئی تو نہیں، البتہ جن کے دلوں پر موصوف کی طرح غلاف ہے، وہ یہی سمجھتے ہیں۔ ایمان والے ان کی طرح احادیث رد کرنے کے لیے قرآن کی آیات تلاش کر کے ان کی غلط تشریحات نہیں کرتے بلکہ ہدایت حاصل کرنے کے لیے اسے پڑھتے ہیں۔

حدیث میں بتایا گیا ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) جزیرہ موقوف کر دیں گے، لیکن موصوف لکھتے ہیں:

”..... کیونکہ سورہ توبہ میں آیا ہے کہ جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان

نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام کی ہیں، اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیرہ دیں (آیت ۲۹) تو معلوم ہوا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) جہاد و جزیرہ کو ختم نہیں کر سکتے۔ اس لیے یہ روایات خلاف قرآن ہیں۔“ (ایضاً: صفحہ ۱۵-۱۶)

اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ کون سے کام کا کیوں حکم دیتا ہے۔ نعوذ باللہ! وہ اس بات کا پابند نہیں کہ اپنے ایک ایک فیصلے کی وجہ انسانوں کے سامنے بیان کرے۔ نہ ہی انسانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ یہ پوچھتے رہیں کہ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے اور ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ ایمان تو اس پر لانا ہے جو بیان فرما دیا گیا۔ وہ تمام واقعات جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کے حوالے سے ہمارے سامنے آئے ہیں، ان سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ جہاد اور جزیرہ کیوں موقوف کر دیا جائے گا۔ دیکھیں اللہ اور رسول غالب آجائیں گے، دنیا میں صرف مومن و مسلم ہوں گے تو جہاد کس سے کیا جائے گا اور جزیرہ کس سے وصول کیا جائے گا؟ پھر جب اللہ تعالیٰ تمام مومنین و مسلمین کو موت دے دے گا تو اپنے دین پر پھر جانے والے ان لوگوں سے اب جہاد کون کرے گا اور ان سے جزیرہ وصول کرنے والا کون ہوگا؟ لہذا عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے حکم سے اسے موقوف کر دیں گے۔ بات ہے دراصل کتاب اللہ میں تدبیر کی جس سے یہ اندھے مقلدین اور مفاد پرست عاری ہوتے ہیں۔

انہی احادیث میں ایک بات یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) جہاد جال کو قتل کر دیں گے۔ محمد ہادی اور ان کے ہمنواؤں نے اس موضوع کو بڑی شد و مد کے



ساتھ اٹھایا ہے۔ ایک علیحدہ کتاب اس موضوع پر لکھ دی گئی ہے جس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ شماروں میں دیا جائے گا۔ فی الحال بات اسی زیر نظر کتاب کے حوالے سے ہے۔ انہوں نے قرآن کی آیات سے جو بات تفصیلاً بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پھر سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۹ کے حوالے سے انہوں نے بیان کیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو خبردار کر دیا گیا تھا کہ نبی ﷺ کے بعد اب کسی اور بشر و نذیر کے منتظر نہ رہنا، پھر لکھتے ہیں:

”یونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی بشر و نذیر ہیں تو درج بالا آیت کی رو سے ان کا آنا ممکن نہ رہا۔ اور دجال کے قتل کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کا آنا سفید جھوٹ ہے۔“ (ایضاً صفحہ ۱۵)

موصوف نے پوری بات نہیں لکھی۔ یہ بھی تو لکھ دیتے کہ یہ جھوٹ کس نے بولا ہے؟ یہ خبر انسانوں کو کون سے ”رسول“ نے دی ہے، ان کا نام بھی تو لکھ دیتے۔ استغفر اللہ! حدیث و قرآن کے انکاری نفس پرستی کا شکار ہو کر یوم حساب سے بالکل ہی بے خوف ہو جاتے ہیں۔

صفحہ نمبر ۱۴ پر لکھا ہے:

”ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بشر و نذیر بنا کر بھیجتے ہیں نہ کہ کسی مخصوص شخص یا دجال کو قتل کرنے کے لئے۔“

قارئین! کیا ان تحریروں سے نری جہالت کا اظہار نہیں ہوتا؟ انبیاء علیہم السلام بے شک بشر و نذیر ہی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لیکن انہوں نے نکاح بھی کیے، معاش کے لیے محنت مزدوری بھی کی، بکریاں بھی چرائیں، اللہ کی راہ میں جدوجہد کی، جہاد و قتال کیا۔..... معلوم ہوتا ہے عقل و فہم شاید انہیں چھو کر بھی نہیں گزرے۔ انبیاء علیہم السلام بے شک دنیا میں بشر و نذیر ہی بنا کر بھیجے گئے لیکن دنیا میں انہوں نے انسانوں ہی کی طرح زندگی گزار لی اور مختلف ذمہ داریاں بھی پوری کیں۔ اللہ کے باغیوں کو انہوں نے قتل بھی کیا اور خود بھی شہید ہوئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے کسی کو شہید کیا، یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا۔“

(مسند احمد، ۱/۲۰۸، کتاب مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۳۸۵۸)

اب موصوف ذرا غور کریں کہ اس شخص کو بدترین عذاب کیوں ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کیوں بیان فرمائی جبکہ بقول ان کے اللہ تعالیٰ کسی نبی کو کسی شخص کو قتل کرنے کے لیے نہیں بھیجتا؟ یہ بھی تو بتائیں کہ اس حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف دجال کو قتل کرنے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا؟ موت کا وہ

عقلم جو ہر انسان کے لیے لازمی ہے، اسے پورا کرنے کے لیے انہیں بھیجا جائے گا۔ وہ اللہ کے دین کو قائم کریں گے، باغیوں کو قتل کریں گے اور اسکے ساتھ ساتھ جو کام اللہ تعالیٰ ان سے لینا چاہے گا لے لے گا۔ انہیں کس نے بہکا دیا ہے کہ وہ صرف دجال کے قتل کے لیے بھیجے جائیں گے؟ فَالْيَوْمَ تُكْفَلُونَ!

حدیث میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام عادل حاکم کی حیثیت سے آئیں گے، لیکن موصوف یہ عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ اب نبی ﷺ آخری بشر و نذیر نہ رہے! یہ ساری کوشش تو احادیث کے انکار اور قرآن کی آیات کی غلط تشریحات کے ذریعے تھیں۔ اس کے بعد موصوف نے ایک اور تیر چلایا ہے۔ اور اپنے تئیں یہ گمان کیا ہوگا کہ یہ تیر آگ کا کام دے گا اور لوگ شاید اس کے بعد اب کسی حدیث کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کریں گے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں ان احادیث کی سند پر جرح کر کے یہ تاثر دیا ہے کہ یہ احادیث کسی طور پر بھی قابل قبول نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ نزول کی روایات متن کے لحاظ سے قرآن کے خلاف ہیں اب اسناد پر کام کرنے کی کوئی خاص حاجت تو نہیں کیونکہ اصول حدیث میں ہے کہ جس حدیث کا متن قرآن کے خلاف ہو اس کی سند اگر سورج کی طرح چمک رہی ہو تب بھی حدیث قابل رد ہے (النار الہیة لابن قیم) لیکن اگر دیکھا جائے تو راویوں پر بھی کلام ہے۔ پہلی روایت کی سند: ”ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اس پروردگار کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ زمانہ قریب ہے کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام تم لوگوں میں عادل حاکم ہو کر اتریں گے۔“

(۱) (العلق) اب دیکھئے درج بالا سند میں اسحاق کا ذکر امام بخاری نے بغیر دلالت کے کیا ہے امام بخاری کئی اسحاق سے روایت لیتے ہیں اور یعقوب سے کئی اسحاق روایت لیتے ہیں۔ اب جبکہ بعد کے لوگوں نے اسحاق بن راحویہ قرار دیا ہے جبکہ سند کی جہالت اپنی جگہ برقرار ہے۔“

(عقیدہ و خاتم العین، صفحہ ۱۸۰)

اپنے اس بیان کے بعد انہوں نے میزان الاعتدال کے حوالے سے اسحاق بن راحویہ پر جرح کر کے اس روایت کو مشتبہ قرار دے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بڑی علمی خیانت کی اور کستان کرتے ہوئے اس ثقہ راوی کو زبردستی بھول قرار دے کر روایت مذکور کی قبیل کی ہے ورنہ یہ وہی مشہور و معروف اسحاق بن راحویہ ہے جس کی محدثین نے توثیق و وثیقت کی ہے۔ واضح رہے کہ یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف سے ایک ہی اسحاق روایت کرتا ہے اور وہ یہی اسحاق بن راحویہ ہے جو کہ بخاری کا راوی ہے۔ اس راوی کا پورا نام علق بن ابراہیم بن قلد ہے، ابو یعقوب اس کی کنیت ہے۔ موصوف کے مدوح احمد بن حنبل نے اسے امام من ائمة المسلمين ”مسلمانوں کے اماموں



میں سے ایک امامؑ کہا ہے اور یہاں تک بتایا کہ عراق میں مجھے ان کے جیسا کوئی دوسرا نہیں ملا۔ نسائی کہتے ہیں: احمد الاثمة یعنی "اماموں میں سے ایک ہے" اور ثقہ صامونی "ثقہ ہے، محفوظ ہے"۔ ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ ابو زرہ رازی کہتے ہیں کہ اسحاق سے زیادہ محفوظ راوی لوگوں نے نہیں دیکھا۔ ابن خزیمہ اسحاق کے لیے کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم اگر وہ تابعین میں سے ہوتا تو وہ لوگ اس کے حفظ حدیث اور علم و ثقہ سے فیض یاب ہونے کے لیے اس کے پاس اکٹھے ہو جاتے۔ (تہذیب التہذیب: جلد ۱، صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷)

میزان الاعتدال، جس کی جرح مبہم کے حوالے سے موصوف نے اس پائے کے راوی کی روایت کو ناقابل قبول قرار دیا ہے، اس کے مرتب حافظ ذہبی نے اسے احمد الاثمة الاعلام یعنی بڑے نامور اور نمایاں اماموں میں ایک قرار دیا ہے۔ اور جرح بھی صرف یہ ہے کہ ابوالحجاج کے بقول قبیل اسحاق اختلط فی آخر عمرہ: "یہ کہا جاتا ہے کہ آخری عمر میں اسحاق کے حافظے میں کچھ اختلاط واقع ہو گیا تھا"۔ اور ابوداؤد کے مطابق یہ تغیر بھی مرنے سے صرف پانچ مہینے پہلے پیدا ہوا تھا۔ یعنی یہ غیر اہم ہے کہ کبریٰ میں ایسا ہو جانا کوئی عیب نہیں۔ مگر علامہ موصوف کی ہدایتی دیکھیے کہ فقط قبیل کو سرے سے ہی اڑا دیا کیونکہ جانتے ہیں کہ اس کی موجودگی بیان کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ وہی راوی ہے جس کی روایات موصوف نے اپنی کتاب "اصلاح ایمان" کے صفحہ ۲۵ پر بیان کی ہیں۔ زیر بحث روایت کے دوسرے راوی ابراہیم بن سعد پر اس انداز سے جرح کی ہے:

"عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میں نے اپنے والد (احمد بن حنبل) سے سنا کہ یحییٰ بن سعید کے ہاں عقیل و ابراہیم کا ذکر کیا تو گویا آپ دونوں کو ضعیف سمجھ کر ناگواری سے کہتے: عقیل: ابراہیم۔ ابن عدی نے اس کے چند غرائب یعنی نادر روایات جو زہری سے لی ہیں، بیان کی ہیں کہ وہ اسناد میں اول بدل کر کے ایک تابعی کی جگہ دوسرے کا نام لیتا تھا۔" (ایضاً: ۱۹)

غور فرمائیے! موصوف غلط کو صحیح ثابت کرنے کے لیے خیانتوں پر ہتھیارتیں کیے چلے جا رہے ہیں۔ فجعل کانه یضعفہما بقول عقیل و ابراہیم کا ترجمہ انہوں نے یہ کیا: "گویا آپ دونوں کو ضعیف سمجھ کر ناگواری سے کہتے: عقیل: ابراہیم" حالانکہ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں ناگواری کے ساتھ فیصلہ کر دینے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ انہوں نے ایسا ظاہر کیا کہ جیسے وہ ان کو ضعیف سمجھتے ہوں۔ اور اس کے بعد کے الفاظ تو انہوں نے سرے سے لکھے ہی نہیں کہ: ثم قال ابی ایسہ یشفع ہذا ہولاء ثقات لم یحضرہما یشخروہما یحییٰ" پھر میرے والد نے کہا کہ اس چیز سے کیا فائدہ ہوگا (یعنی کیا فرق پڑے گا)، یہ لوگ ثقہ تھے جن کی خبر یحییٰ کو نہ ہو سکی۔" اور رہی بات ابن عدی کی تو اس روایت میں ابراہیم بن سعد براہ راست زہری سے روایت ہی نہیں کر رہا بلکہ صالح بن کیمان کی سند سے روایت کر رہا ہے۔ اور ابن عدی نے تو خود ابراہیم کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب التہذیب: جلد ۱، صفحہ ۱۱) اس طرح ان کی یہ جرح بھی روایت کی سند کو غلط ثابت

نہیں کرتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابراہیم بن سعد کو احمد بن حنبل نے ثقہ احادیثیہ مستقیمہ کہا ہے یعنی وہ ثقہ ہیں اور ان کی روایات مفید ہیں، جبکہ یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ حجة کہا، اور ابوحاتم نے اسے ثقہ کہا ہے۔ (ایضاً) اور ذہبی کی میزان الاعتدال میں جہاں سے انہوں نے مذکورہ بالا جرح نقل کی ہے، وہاں انہیں ذہبی کے یہ الفاظ نظر نہیں آئے کہ احمد الاعلام الثقات: "نامور ثقہ راویوں میں سے ایک" اور یہ بھی کہ قلت ابراہیم بن سعد ثقہ بلا ثنیاً قدر وی عنہ شعبة مع تقدمہ و جلالہ: میں کہتا ہوں کہ ابراہیم بن سعد ثقہ تھے اور اس سلسلے میں دوسری کوئی رائے نہیں، ان سے شعبہ نے احادیث روایت کی ہیں ان کی فوقیت و جلالت کے ساتھ۔"

انہوں نے ابن شہاب الزہری پر بھی اسی روایت کے حوالے سے جرح بیان کی ہے۔ ان کی ہدایتی دیکھیے کہ محدثین کے اقوال بیان کرتے ہوئے عبارت میں سے صرف اپنے مطلب کا ٹکڑا نقل کرتے ہیں اور آگے پیچھے کے تعدیلی کلمات کھا جاتے ہیں! مع: کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے اصل بات یہ ہے کہ یہ ساری جرح اسی مشن کے تحت ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام والی احادیث کو باطل ٹھہرایا جائے ورنہ ان راویوں پر ان کا مکمل اعتماد ہے جس کا ثبوت درکار ہو تو ان کی کتاب "اصلاح ایمان" صفحہ ۲۳ پر بخاری کتاب الدعوات کے حوالے سے بیان کردہ غیبی حدیث کی سند دیکھ لیں:

حدثنا سعید بن عفیر قال: حدثنا الملیث قال: حدثنی

عقیل، عن ابن شہاب اخبرنی سعید بن المسیب۔

اپنی اس کتاب میں انہوں نے صفحہ نمبر ۹ پر مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ان اللہ یرفعہ اپنی دلیل کے طور پر پیش کیے ہیں، ذرا اس کی سند بھی ملاحظہ فرمائیں:

حدثنی زہیر بن حرب حدثنا یعقوب بن ابراہیم

حدثنی ابی عن ابن شہاب عن۔

دیکھا آپ نے! رفع عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق اپنی زیر بحث کتاب میں موصوف نے اسحاق، ابراہیم بن سعد اور زہری پر جرح کی ہے جبکہ اپنی دیگر کتب میں انہی راویوں سے مروی روایات سے استدلال کیا ہے ایہ ہے ان کا علامہ انداز! لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم زہری سے روایت کرتا ہے تو اسناد میں اول بدل کر دیتا ہے۔ (زیر بحث روایت براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہے) لیکن یہ خود وہی روایت بیان کرتے ہیں جس میں یہی راوی بلا واسطہ براہ راست زہری سے روایت کرتا ہے! فاعضروا یا اولی الابصار

بخاری کی دوسری روایت میں انہوں نے میزان الاعتدال ہی کے حوالے سے حسب عادت اپنی پسند کے جملے لے کر یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر اور یونس بن یزید الایلیٰ پر جرح کی ہے اور مؤلف کی تعدیل سے آنکھیں بند رکھیں! یحییٰ کے لیے ذہبی نے لکھا: ثقہ، صاحب حدیث و معرفة، یتحج بہ فی الصحیحین یعنی ثقہ ہے، علم حدیث و معرفت کا مالک ہے جس کو بخاری و مسلم نے حجت بنایا ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابوصالح سے کثرت سے حدیثیں



والی روایت کی سند میں بھی یہ راوی شامل ہے اور اس کتاب کے صفحہ ۲۸ پر عمر رضی اللہ عنہ کے رجوع کے بارے میں جو انہوں نے لکھا ہے تو وہ روایت بھی اسی راوی نے بیان کی ہے۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ ایسے راویوں کی روایات کے ذریعے یہ لوگ "ناکھی" میں اصلاح ایمان کرتے رہے ہیں یا فساد ایمان؟ اگر عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کردہ روایات کے راوی ابن شہاب الزہری، ابراہیم بن سعد، لیث بن سعد اور اخطی بن راہویہ بحدیث ہیں تو پھر اپنے متعلق اعلان کر دیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، آج تک انہوں نے جھوٹے راویوں کی سند سے روایتیں بیان کر کے محض لوگوں کے ایمان کو ہی بگاڑا ہے! جب ان کے مطلب کی بات ہو تو یہ راوی مانند فرشتہ ہے اور جب ان کے غلط عقیدے کے خلاف بیان کرے تو یہ عیب چھپانے والا دھوکہ باز بنا دیا جاتا ہے۔ حیرت ہے ان کے ایمان کے منافی دورے انداز فکر پر! دراصل یہ ذوالوہمین ایک جگہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے جو دلیل پیش کرتے ہیں دوسری جگہ دوسری غلط بات کو ثابت کرنے کے لیے اسی کو رد کر دیتے ہیں۔

موصوف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وفات صلی اللہ علیہ وسلم پر اجماع ہے۔ اس کے بعد ایک بے بنیاد و بے سند قول سے امام مالک کے متعلق بھی لکھا ہے کہ وہ بھی وفات صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے۔ کیسی افتراء پروازی کی ہے ان ظالموں نے! پھر چند افراد کے نام بھی انہوں نے لکھے ہیں کہ یہ بھی اس عقیدے کے حامل تھے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اس پندرہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہی چند لوگ انہیں اپنے ہم عقیدہ دل سکے ہیں اور کیا یہی لوگ دین میں حجت ہیں؟ پندرہ سو سال میں یہ چند افراد ہی دین کے سمجھنے والے تھے! دلیل ہی دینی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پیش کرتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے اقوال صحیح احادیث کے حوالے سے بیان کرتے۔ انہوں نے اپنے جیسے چند گمراہ پیش روؤں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے محض چند من گھڑت اور بے سند اقوال بیان کر کے گویا اپنا گوبر مراد پالیا! سند کے ساتھ بیان کی جانی والی احادیث رسول پر ان اقوال کو فوقیت دی اور ان اقوال کی بنیاد پر قرآن کے بیان کردہ عقیدے اور موقف کو جھٹلانے کی کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں جو کوششیں یہود و نصاریٰ نے کی ہیں، انہوں نے تو ان کو بھی مات دیدی۔

مناسب ہے کہ آخر میں ہم موصوف کے ان سوالات کا بھی مختصر جواب دے دیں جو انہوں نے اپنی کتاب کے آخری صفحے پر لکھے ہیں۔ یہ وہی سوالات ہیں جو قادیانیوں کی اکثر کتب میں مختلف انداز میں کیے گئے ہیں۔ الحمد للہ! تمام سوالات کا مکمل جواب اس مضمون میں موجود ہے، لیکن چونکہ ایک خاص انداز میں یہ سوالات کیے گئے ہیں، اس لیے ہم مختصر ان کا جواب دے دیتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۔ عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ نزول نبی و رسول کی حیثیت سے ہوگا یا اسی کی حیثیت سے؟

سوال نمبر ۲۔ اگر عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اسی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے تو کیا کسی اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سارے اہل کتاب اور غیر مسلموں سے کہے کہ مجھ پر ایمان لاؤ؟

لکھی جاتی ہیں اور یحییٰ بن کبیر اس سے زیادہ محفوظ ہے۔ ابن حبان نے اس کا ذکر ائمہ راویوں میں کیا ہے۔ الساجی نے اس کو صدوق یعنی بہت سچا کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ وہ روایت حدیث میں سب سے زیادہ ثابت ہے۔ اخطی اور ابن قانع نے بھی اسے ثقہ بتایا۔ (تہذیب التہذیب: جلد ۷، صفحہ ۶۳، ۶۴)

اس روایت کے دوسرے راوی یونس بن یزید الایلی پر بھی میزان الاعتدال ہی کے حوالے سے خوب جرح کی ہے جبکہ اسی مقام پر ذہبی نے انہیں ثقہ اور حجت قرار دیا ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ زہری سے روایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ ثابت لوگ مالک، معمر، یونس، عقیل، شعیب اور ابن عدی ہیں۔ عبدالرزاق نے ابن مبارک کا قول نقل کیا کہ میں نے معمر سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا جو زہری سے روایت کرتا ہو مگر یونس کو جو اسناد کے بارے میں زیادہ محفوظ ہے۔ الدوری نے کہا کہ ابن معین زہری سے روایت کرنے میں یونس اور معمر کو صاحب علم بتاتے ہیں۔ اخطی اور نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ وہ روایت حدیث کی صلاحیت رکھتا ہے اور زہری سے مروی احادیث کا عالم بتایا۔ ابوزرعہ الرازی نے کہا: لا باس بہ یعنی اس کی روایات لینے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن خراش نے اس کو سچا بتایا۔ ابن حبان نے اس کا ذکر ائمہ راویوں میں کیا۔ (تہذیب التہذیب: جلد ۷، صفحہ ۲۷۷، ۲۷۸)

بخاری کی تیسری روایت میں انہوں نے لیث بن سعد پر جرح کی ہے اور حسب روایت یہاں بھی ذہبی کی اس تعدیل کو رد خور اعتقاد سمجھا کہ: احادیث الاعلام والائمة الانبياء، ثقة حجة بالانواع یعنی نامور و مستند اماموں میں سے ایک ہے، بغیر کسی نزاع کے ثقہ ہے، قابل حجت ہے۔ مگر ان کا دور خاپن دیکھیے کہ جب خود روایت پیش کرنے پر آتے ہیں تو انہیں کوئی سقم نہیں دکھائی دیتا۔ "اصلاح ایمان" کے صفحہ نمبر ۲۳ پر جو روایت بیان کی گئی ہے اس کی سند میں یہی راوی شامل ہے۔

زہری پر تو یہ بہت ہی ناراض ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ ان کے تمام ہم مسلک منکرین نے ان کو نشانہ بنایا ہے، اور لگتا ہے کہ وہ تو ان کے نزدیک واجب القتل ہے کیونکہ ان تینوں روایات کی سند میں اس کا نام آتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"زہری: كان بدلس في النادر (میزان ج ۳ صفحہ ۴۰) بعض قات تملیس کرتا تھا۔ محدثین کہتے ہیں کہ (تملیس کسی راوی یا روایت میں عیب چھپانا) عیب چھپانا کبیرا بیچنے میں حرام ہے تو حدیث میں تملیس بدرجہا حرام ہے۔ یہ ہیں وہ خلاف قرآن روایات کی اسناد کا حال جس پر نا سمجھوں نے عقیدہ استوار کیا ہے۔" (ایضاً: ۲۰)

لیکن قارئین اسی راوی کی روایات "اصلاح ایمان" میں بلا جھجک پیش کی گئی ہیں۔ ہم نے اس سے قبل بھی اس راوی کی دو روایات کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنی کتب میں بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ "اصلاح ایمان" صفحہ ۳۶ پر موسیٰ رضی اللہ عنہ



سوال نمبر ۵۔ مصلیٰ علیہ السلام کو دو بارہ نزول کے وقت ”ہی“ کے بجائے ”اُتی“ ماننے سے ان کی نیت کا انکار تو لازم نہیں آئے گا؟ (کیونکہ بذاتِ مصلیٰ علیہ السلام قرآن حکیم میں سورۃ مریم آیت ۳۰ میں ہے: **وَجَعَلْنِي نَبِيًّا** ”اور اس (اللہ) نے مجھے نبی بنایا ہے“)

ان سوالات نما اعتراضات کا ازالہ

عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں بحیثیت ایک نبی و رسول مبعوث فرمائے گئے۔ ان کی نبوت و رسالت صرف اسی قوم کے لیے تھی جبکہ نبی ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک کے لیے ہے۔ اب یہ ساری امت، امت محمدیہ ﷺ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع ہوا ہے۔ انہیں اس دنیا میں واپس بھیجا جائے گا جہاں وہ اپنی زندگی کی باقی مدت پورا کریں گے۔ وہ نبی تھے، نزول کے بعد بھی نبی ہی ہوں گے۔ ایک دفعہ نبوت ملنے کے بعد کوئی بھی نبی اس منصب عالی سے معزول نہیں کیا گیا، لیکن چونکہ ان کی شریعت صرف بنی اسرائیل تک محدود تھی اس لیے اس امت میں وہ بحیثیت حاکم آئیں گے اور اسی کی شریعت کے پیروکار ہوں گے جس طرح ہارون علیہ السلام نبی تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے۔ یہ سارا معاملہ معجزاتی ہے اور انسان کی عقل و فہم سے باہر ہے۔ ہمیں جو کچھ قرآن و حدیث سے ملتا ہے اسی پر ایمان لانا ہے۔ ان پر ایمان لانے کا کیا تقاضا ہے، اس مضمون میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ نہ کہنا کہ نبی ﷺ کی مدد کے لیے ان کو بھیجا گیا ہے، محض شیطانی شوشہ ہے۔

بچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کیسے نبی ہوں گے کہ ان کی نبوت ہی نہیں چلے گی! کیا انہوں نے کبھی سوچا کہ ہارون علیہ السلام کی نبوت کیسے چلی تھی؟ یہ بھی محض ایک عمر راہ کن شوشہ ہے۔ ہر نبی کا ایک منصب اور ذمہ داری ہوتی ہے جس کو پورا کر کے وہ اللہ کے یہاں ایک مقام پا لیتا ہے۔ پچھلے انبیاء کی نبوت ان کی استوں تک تھی اور نبی کریم ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لئے نافذ العمل ہے۔ جس طرح پچھلے انبیاء کی نبوت

سوال نمبر ۱۰ کیا (تَعُوذُ بِاللّٰهِ) اللہ تعالیٰ اتنی بڑی نعمت کا ذکر کرنا بھول گئے ہیں یا آسمانوں پر اٹھایا جانے کا وقت تعویذی روئے نہیں ہوا ہے؟

وہم کا ازالہ

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے:

إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ  
وَإِذْ كَفَعْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جَعَلْتَهُم بَالِغِينَ  
فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِن هَٰذَا إِلَّا مَعْزُومِينَ (المائدة: ١١٠)

”جب اللہ فرمائے گا کہ عیسیٰ ابن مریم یاد کرو میری نعمتوں کو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کی تھیں، جب میں نے روح پاک سے تمہاری مدد کی، تم گہوارے میں لوگوں سے گمام کرتے تھے اور بڑی عمر میں بھی، اور جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت، تورات اور انجیل کی تعلیم دی، تم میرے حکم سے پرعدے کی شکل کا منی کا پتلا بناتے تھے اور اس پر پھونکتے تھے تو میرے حکم سے وہ ایک پرستہ بن جاتا تھا، اور تم مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے، اور جب تم مردوں کو میرے حکم سے اٹھا کھڑا کر دیتے تھے، پھر جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا، جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر پہنچو تو جو ان میں منکر حق تھے انہوں نے ان نشانوں کو سرخ جاودہ قرار دیا تھا۔“

یکھیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان نعمتوں کا ذکر فرمائے گا جو اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں۔ یہ دراصل معجزات کی شکل میں ہیں اور رسالت کی ذمہ داریوں کو سر انجام دینے کے ساتھ ان کا تعلق ہے۔ انہی نعمتوں میں اللہ تعالیٰ اس بات کا بھی ذکر فرمائے گا کہ جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا تھا۔ یہ اشارہ یہودوں کی اسی سازش کی طرف ہے جو انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور سولی

(باقی صفحہ آخر پر)



# قافلہ ہے رواں دواں

سجاد حسین مسرگودھا

## کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے ناظمین

سال گزشتہ کا یہ تربیتی اجتماع ۱۲، ۱۱ اپریل ۲۰۰۵ء مسجد توحید (بھٹ خشت)، قادر پور راواں، ضلع ملتان میں منعقد ہوا۔ جس میں ملک کے تمام علاقوں سے ناظمین اور نائب ناظمین نے شرکت کی۔

۱۱ اپریل بروز پیر صلوٰۃ الفجر کے بعد مسرگودھا کے ناظم ماسٹر عبد العزیز صاحب نے سورۃ النحل کی آیت نمبر ۲۵ اذْعَلِیْ سَبِيْلَکَ یَا حَکِیْمُکَ وَالْمَوْعِظَۃَ الْحَسَنَۃَ وَجَاوِزْ لَہُمُ الْبَاقِیَ ھِیَ احْسَنُ کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسانیت کا سلسلہ زمین پر جاری فرمایا تو ساتھ ہی ساتھ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ بھی شروع کیا تاکہ وہ انسانیت کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھائیں اور اس سلسلہ میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام اور ان کے ذریعے نسل انسانیت سے فرمایا گیا قُلْ اِنَّمَا یُنْعَمُ عَلَیْکُمْ فِیْ حَیْۃِ ھٰذِیْ فَتَعْبُوْا ھٰذِیْ فَاذْكُرُوْا عَلَیْکُمْ وَاذْكُرُوْا الَّذِیْنَ یُحْذِرُوْنَ (البقرہ: ۳۸) کہ تمہاری رہنمائی کرتا رہوں گا۔ میری طرف سے برابر تمہیں ہدایت و رہنمائی فراہم ہوتی رہے گی جس پر عمل پیرا ہو کر تم کامیابی سے ہمکنار ہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو دنیا میں اکیلا، بے یار و مددگار نہیں چھوڑا بلکہ انکی رہنمائی کے لیے حسب ضرورت شہر شہر، قریہ قریہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے اس پروگرام یا سلسلہ ہدایت کو نشر کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں، حکمت و دانائی کیساتھ اپنی اپنی قوم کو اس پروگرام یعنی راہ ہدایت پر لانے کے لیے کوششیں کیں، یہاں تک کہ یہ سلسلہ رشد و ہدایت اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا۔ اس مرحلہ پر آ کر فرمایا گیا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَقْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ (المائدہ: ۳) کہ اب قیامت تک کسی اور پروگرام اور منصوبے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس امت کو مزید کسی نبی کی ضرورت سے قارغ

کر دیا۔ اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے ایسا عالمگیر اور جامع پروگرام اس امت کے لیے نازل فرمایا اور ایسی کتاب عطا فرمادی جس کا قانون ایسا اعلیٰ اور مکمل ہے کہ قیامت تک آنے والوں کے لیے یکساں طور پر مفید اور قابل عمل ہوگا۔ یہ کام صرف اللہ کی ہستی ہی کر سکتی ہے۔ دنیا والے، یہاں کے دانشور و مفکرین نہیں کر سکتے کہ ایسا قانون اور اصول وضع کر دیں جو خامیوں سے پاک اور سب کے لیے یکساں مفید ہو۔ دنیا میں تو یہ سلسلہ چلتا ہے ”ہر کہ آمد عمارت تو ساخت“ جب کہ اللہ کا قانون ایسا ہے جس میں کوئی خامی نہیں اور نہ اس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اس کا تو چیلنج ہے: فَالَّذِیْنَ یُسُوْۤدِقُوْنَ فِیْۤہِ (البقرہ: ۲۳) کہ اس جیسی کوئی ایک ہی سورۃ بنالاء۔ مگر اس کو آج تک کوئی قبول نہ کر سکا اور نہ آئندہ قبول کر سکے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان ہے کہ اس نے ایسی لائانی کتاب ہدایت نازل فرمائی ہے اور ایسا تغیر مبعوث فرمادیا کہ اب قیامت تک کسی اور رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ کے بعد اب یہ کام، یعنی نسل انسانیت کو اللہ کے راستے پر لانا، اس آخری امت کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں فرمادیا: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجْتُ لِلْعٰلَمِیْنَ (آل عمران: ۱۱۰) یعنی تم امت کے بہترین لوگ ہو جنہیں لوگوں کی (ہدایت کی) خاطر نکالا گیا ہے۔ یہ فریضہ، یہ ذمہ داری اب تم نے ادا کرنی ہے۔ دنیا امن کا گہوارہ صرف اس صورت میں بن سکتی ہے کہ جب مالک کے پروگرام پر عمل کیا جائے۔ دنیا والوں کے قوانین اور ان کے بنائے ہوئے ضابطوں سے امن قائم نہیں ہو سکتا، بلکہ امن و سلامتی کے اس پیغام ربانی کو کما حقہ ان تک پہنچانا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ اس کے ذریعے ہی ان کا خوف امن سے بدلے گا جیسا کہ سورہ نور کی آیت کے ذریعے وعدہ استکفاف میں بیان فرمایا گیا ہے۔ البتہ اس وعدے کے پورا ہونے کے لیے ایک شرط رکھی گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ یُحِبُّوْۤا دِیْنََیْ لَا یُغَیِّرُوْۤا کَلِمَۃً فِیْ شَیْءٍ (النور: ۵۵)۔ ہندگی صرف اللہ ہی کی ہوگی اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کیا جائے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ گزشتہ انبیاء علیہم



السلام، ان کے مانتے والوں، اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں بیشمار دکھ اور پریشانیاں ملتی ہیں۔ لیکن یہ محض ظاہری اور خارجی طور پر ہے کہ دکھ اور پریشانی ہے، داخلی طور پر ان برگزیدہ شخصیات کو امن و سکون اور اطمینان قلب حاصل تھا۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہے اور پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ مثلاً، فرعون کے دربار میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا جادو گروں سے مقابلہ۔ یہ جادوگر اپنے شیطانی حربوں اور فرعون کی سرپرستی کے ساتھ دو آدمیوں کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں۔ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ یہ دو آدمی ان سب کے مقابلے میں کس طرح کامیاب ہوں گے؟ مگر اللہ کی تائید و نصرت غالب آئی تو جادوگر بھی ایمان لے آئے اور پکار اٹھے اَمَّا يَوْمَ تَمُوتُ وَاَنْفُسُ يَخْرُجُ مِنْ صُفْحٍ مُطَهَّرٍ (طہ: ۷۷) جو چند منٹ پہلے فرعون کے ہاں مقام بنانے کی فکر میں تھے، وہ اب ایمان لا کر آخرت کی سرخروئی کی فکر میں ہیں، جبکہ اپنا انجام بھی انہیں معلوم ہے۔ موت سامنے رقص کر رہی ہے۔ فرعون ہاتھ پیر کاٹ دینے کی دھمکیاں دے رہا ہے، مگر یہ کہتے ہیں: ہمیں پتہ ہی آج چلا ہے کہ اصل اللہ اور مالک اللہ ہے۔ داخلی طور پر وہ مطمئن ہیں۔ فرعون کے غصے کی پروا نہیں، اپنے مالک سے ڈرتے ہیں۔ فرعون سے کہتے ہیں کہ جو دلائل ہمارے پاس آگئے ہیں ان پر اور جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، اس کے مقابلے میں ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔ فَاقْضِ مَا لَكَ قَاضٍ اِنَّمَا تُنْقِضُ هَذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (طہ: ۷۲، ۷۳) تو نے جو فیصلہ کرنا ہے، جو حکم دینا ہے دے دے، تیرا یہ حکم یا اختیار تو محض اس دنیا کی زندگی کی حد تک ہے۔ جبکہ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف فرمادے بشمول اس جادو کے جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا۔ اللہ کی معیت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ کتنی خوبصورت دعوت ہے اپنے مالک کی طرف! اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات ہیں جو داخلی اور قلبی طور پر مطمئن تھے اپنے مالک کی رضا پر۔ یہ اطمینان صرف خالص مومن کو نصیب ہوتا ہے، چاہے وہ خارجی طور پر جس قدر بھی حوادث کا شکار ہو۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَكَتَبْنَا لَهُمْ فِي الْكِتَابِ مِنْ الْخَيْرِ وَالْجَوْرِ وَانْقِصَ مِنْ الْاٰمُوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالْشَّعْرِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (البقرة: ۱۵۵)۔ ایمان والوں کے لیے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی آزمائشیں لازمی طور پر آتی ہیں لیکن بشارت صرف ان کے لیے ہے جو اللہ کی رضا پر راضی اور مطمئن رہ کر اس راہ میں صبر کرنے والے ہیں۔ اللہ کی طرف بلانے کی ذمہ داری کے حوالے سے فرمایا: وَمَنْ اَحْسَنُ فَاَوْفَرْتُمْ دَعَاً اِلَى اللّٰهِ وَكَمَلْ صَالِحًا وَقَالَ اِنْ كُنْتُمْ

صالح کرے اور عام مسلمین میں خود کو شمار کرے۔ یعنی جس بات کی دوسروں کو دعوت دی خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ سورہ یوسف میں فرمایا: قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ..... اللہ کے نبی ﷺ جس راستے اور طریقے پر گامزن ہیں، ان کے اسوہ حسنہ پر چلنے والوں کا راستہ بھی وہی ہے جو پورے شعور اور بصیرت کے ساتھ اللہ کی راہ پر قدم ڈالتے ہیں اور اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہیں۔ تلاوت کردہ آیت میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے: اَدْعُوْا اِلَى سَبِيْلِيْ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَاوِبْهُمْ بِاَلْسِنٍ حَسَنٍ اِنْ رَّكَكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ صُلٰ عَنْ سَبِيْلِيْ. وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَكِبِيْنَ۔ اس میں دعوت و تبلیغ کے اصول بیان کر دیے کہ چند چیزیں ملحوظ خاطر ہیں۔ اللہ کی راہ میں، اس کی بندگی کی طرف دعوت دینا، یہ ایک ذمہ داری ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔ مگر عملی کے ساتھ، حکمت و دانائی اور شیریں بیانی یعنی میٹھے بول سے دعوت دینا، اس سلسلے میں بحث و مباحثہ احسن طریقہ سے کرنا۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی دعوت اگر محض لفظی دعوت ہے اور اس میں عمل کی تاثیر نہ ہو تو چاہے وہ کتنی ہی زرین ہو، دھوئیں کے مرغولوں کی طرح فضا میں تحلیل ہو جائیگی۔ محض الفاظ سے کبھی بھی تاریخ پر اثر نہیں ڈالا جاسکتا۔ عمل سے خالی دعوت اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۳)۔ ”یہ بات اللہ کے نزدیک بہت سخت (قابل گرفت) ہے کہ تم کہو جس پر تم خود عمل نہ کرتے ہو۔“ جب تک دعوت پر خود عمل نہ ہو اس میں اخلاص نہیں پیدا ہوتا۔ اخلاص کی تو خاموشی میں بھی فصاحت و بلاغت ہے۔ عمل سے خالی دعویٰ نفاق پر مبنی ہوتا ہے۔ دعوت الی اللہ کا عملی نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خلوص کا پیکر تھے، جن کی ہر چیز خالص تھی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ لُوَلٰٓئِكَ هُمْ حَرٰمٌ لِّالْبَوٰیۤتِ (البقرة: ۱۷۷) جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح کرتے رہے، وہی لوگ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔“ اپنے اپنے دعوے کے مطابق تو پوری قوم عمل پیرا ہے، اس حوالے سے ہمارا کیا مقام ہے، اس کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ بات پہلے باندھ لی جائے کہ زمینی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے اس وقت تک انتظار کیا جائے کہ جب تک تیاری بھرپور اور مکمل نہ ہو جائے۔ تیاری کے لیے قرآن و سنت بنیاد ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح تیاری کی! پھر اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹانے لگے۔ بال بال تبدیل ہو گیا۔ قدوسی، رنگ و بوی، مگر سوچ، فکر، آرزوئیں اور امتلیں تبدیل ہو گئیں۔ مکمل نظریہ بن گئے۔ شادی، غمی اور معاملات سب کچھ نظریے کا ترجمان بن گیا۔ اسوہ حسنہ کو وہ عملی زندگی میں لے آئے۔ آج اگر ہم بھی اپنے کردار کو، عملی زندگی کو اسوہ حسنہ



کے مطابق وصال میں تو مکمل نظریہ بن جائیں گے۔ پھر رنگ جہاں بدلے گا، انشاء اللہ۔ جنگ بدر میں اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ سارے کا سارا اسلام میں میدان لے کر آگیا ہوں۔ یعنی اسلام کے سچے پیروکار جنہوں نے اپنے ایمان کے تقاضے کے طور پر مکمل اطاعت و فرمانبرداری اختیار کر لی ہے اور تیری راہ میں جان کی بازی لگانے کے لیے میدان میں اتر آئے ہیں، اب تو ہی ان کو اپنی نصرت و حفاظت سے نواز اور سرخ رو فرما، یہ ختم ہو گئے تو دنیا سے اسلام مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور اپنی نصرت و حفاظت سے نوازا: **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ** کا مژدہ ہمارے لیے بھی، اس میں ہم سے بھی خطاب ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ اپنے آپ کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالیں: **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ**، معاملت میں، غرض ہر میدان میں اپنے آپ کو دعوت دیں، خود کو تیار کریں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل اپنائیں۔ وہ عاجزی و انکساری کا پیکر تھے، اللہ کے سامنے گڑگڑاتے تھے، وہ vip نہیں بنے۔ اللہ کی طرف بلانے والوں کی زندگیاں vips والی نہیں تھیں۔ اپنے دشمن شیطان سے ہوشیار رہیں۔ دعوت کے دوران، لوگوں سے گفتگو میں وہ نفس کے اندر اکساہٹ پیدا کرے تو اللہ کی پناہ اور اس کی حفاظت چاہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میدان میں توفیق احسن سے نوازے۔ آمین

اشراق و ناشتہ کے بعد آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب کے افتتاحی کلمات سے اس دوروزہ تربیتی اجتماع کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ انہوں نے سورہ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۷، سورہ انفال کی آیات ۲ تا ۴ اور سورہ زمر کی آیات ۲۳، ۲۴ کے حوالے سے بیان کیا کہ اہل ایمان سے تاکید کی گئی کہ اس کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اسلام پر۔ گویا مرض کی نشاندہی سے قبل ہی اس کا علاج بتا دیا۔ جیسا کہ اہل کتاب کو کہا گیا: **اَفْتَوْهُمْ اَنْ يَبْعُضَ الْكِتَابَ وَكَفَرُوا وَبَعْضُ (البقرة: ۸۵)۔** دورگی اختیار نہ کریں کہ کتاب کی بعض باتیں مانیں اور بعض نہ مانیں۔ اللہ کی کتاب میں حلال و حرام کی واضح ہدایات موجود ہیں۔ اس لیے اختلاف، اتفاق سے بچنے اور کتاب اللہ سے تعلق جوڑنے کا واضح اور دو ٹوک حکم دیا گیا ہے۔ ایمان کے بعد سب سے بڑا تقاضا ایک متفق و متحد اجتماعیت کا قیام ہے، اہل ایمان کی شیرازہ بندی ہے۔ یہ دعوائے ایمان کی پہچان اور اسلام کی شان ہے۔ اللہ کے وقار کی جنگ کون لڑے گا؟ اسلامی اجتماعیت اور اس کے ساتھ وابستگی کے بغیر ایہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی توفیق بخشی اور اہل ایمان کے دلوں میں الفت ڈالی۔ پھر یہ کیسی ناسپاسی ہے کہ اس اجتماعیت کے تعلق سے بے

پرواہی برتی جائے! کیا یہ وہ ہر معیار نہیں؟ اسلام تو نام ہی اجتماعیت کا ہے، جو ذاتی انا سے دستبردار ہو کر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری سکھاتا ہے۔ ابتداءً ایمان لانے والے چند لوگ تھے۔ اپنے بیگانے ہو گئے۔ کس وجہ سے؟ وہ کس بنیاد پر قائم ہوئے؟ ان سے کہا گیا کہ **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ** "تم امت کے بہترین افراد ہو" یعنی ان میں یہ جذباتیایاں اجتماعیت کے حوالے سے رونما ہوئیں۔ جب معاشرے میں، خاندان میں، ایک صاحب ایمان خود کو تنہا سمجھتا ہے تو پھر کون سا سہارا ہے جو اس کی تقویت کا باعث بنتا ہے؟ یہی اجتماعیت اور تحریک۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا کہ جس نے جماعت سے باشت بھر بھی علیحدگی اختیار کی اور اسی حالت میں موت سے ہمکنار ہوا، تو وہ جہالت کی موت مرا! کجا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے، امیر کی نافرمانی اور اس کی مخالفت کریں! کفر و شرک کے ماحول میں ایمان لانے والا اپنے ہم عقیدہ افراد ہی تلاش کرے گا۔ ایمان کے تقاضے جماعت کے ساتھ ہی صحیح معنی میں پورے کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن اسکے لیے انفرادیت کو اجتماعیت میں ضم کرنا پڑتا ہے۔ محض ذاتیات اور باہم ضد و عناد کی بنیاد پر اختلاف کرنا و تفرقہ میں پڑنا، ایمان کے تقاضے کے متنافی اور اللہ کی ناشکری ہے۔ قرآن میں اللہ کا واضح، دو ٹوک اور متعدد جگہ وارد ہونے والا حکم **وَلَا تَفْرَقُوا** یعنی تفریق نہ پیدا کرنے کا ہے۔ سورہ آل عمران کی جو آیت شروع میں تلاوت کی گئی، اس میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ اور مزید کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو واضح دلائل و ہدایات آ جانے کے بعد باہم اختلاف اور تفرقہ میں پڑے اور اس طرح بڑے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اس لیے ایمان لانے کے بعد کفر اور پھر انجام کار اس عذاب سے بچنے کے لیے خیال کرنا ہوگا کہ یہ ایک نہایت سنجیدہ و گہرے معاملہ ہے۔ محض تسکین ذوق کی بات نہیں۔ اللہ کی نعمت کی قدر دانی کرنا ہوگی اور یہی اس کی شکرگزاری کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق بخشے۔ آمین

اس کے بعد راولپنڈی کے ضلیہ الرحمن صاحب نے تجوید کے قواعد کے سلسلے میں نو (۹) حروف کے خارج کو تفصیل سے بیان کیا، ان کے تعلق سے ہونے والی غلطیوں کی نشاندہی کی اور ان قواعد کی روشنی میں قرأت القرآن کی مشق کرائی۔ تجوید کے پروگرام کے بعد فیصل آباد کے نوجوان ساتھی رفعت نواب نے سورہ زمر کی آیات ۱۷، ۱۸: **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَتْلُوا الْقُرْآنَ أَنْ يَتَّبِعُونَ قَوْلًا...** کی روشنی میں تقریر کی۔ انہوں نے ہجرت حبشہ کے قریب نازل ہونے والی اس سورہ کا مختصر پس منظر اور اس میں بیان ہونے والے مضامین کے حوالے سے بتایا کہ دین خالص یا اللہ کی خالص بندگی اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اس



سورہ کا مرکزی مضمون ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (آیت ۱۲۱)۔ اسلام اطاعت و فرمانبرداری کا دین ہے۔ مع و طاعت دین اسلام کا محور ہے۔ یہ نہ ہو تو پھر بغاوت و سرکشی ہے۔ فرمایا: قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رِيقِي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (آیت ۱۳)۔ اللہ کا رسول اپنے آپ کو پیش کرتا ہے کہ اگر میں اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کروں تو مجھے بھی بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ یہ ضابطہ ہے اسلام کا۔ پھر فرمایا: قُلْ إِنَّ الْخَيْرَ فِي الْكَذِبِ خَيْرٌ مِّنَ الْفَصْحِ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (آیت ۱۵) یہ معیار ہے اللہ کے دین کا جس کے مطابق ایمان والوں کی تربیت ہو رہی ہے۔ رفعت نواب نے تلاوت کردہ آیات اور قرآن و حدیث کے مختلف حوالہ جات کی روشنی میں طاغوت کے مسئلے کی بھی وضاحت کی اور بتایا کہ یہ مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا محور ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جو دین حق پر عمل پیرا ہونے میں رکاوٹ ہے۔ طاغوت کا کفر اور اس سے برأت کیے بغیر ایمان معتبر نہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا: فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ..... (البقرہ: ۲۵۶)۔ جس نے طاغوت کا کفر کیا، پھر ایمان لایا اس نے ایسے مضبوط طے کو تھا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ طاغوت کیا ہے؟ اللہ کی کتاب بیان کرتی ہے: وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَتَيْنَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِّنَ الثَّوَرِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ..... (البقرہ: ۲۵۷) دین کے راستے سے ہٹا کر گمراہی کی طرف لے جانے والے، جنہوں نے دین کے راستے میں روڑے اکائے۔ گویا دین کے راستے کی ہر رکاوٹ طاغوت ہے۔ کوئی بھی ہو، کسی بھی شکل میں ہو۔ شخصیات و نظریات ہوں یا تنظیمیں اور جماعتیں، آبا و اجداد ہوں یا پیرو مولوی۔ اللہ کے حکم کی فرمانبرداری ہی اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ کے مقابلے میں غیر اللہ کی فرمانبرداری، اس کا حکم ماننا اس کی عبادت ہے۔ اس لیے فرمایا گیا: لِرَبِّكَ وَ الْخِيَالَهُمْ وَ رُبُّهُمُ أَكْبَرُ مِنْ دُونِ اللَّهِ (التوبة: ۳۱)۔ کتاب اللہ کے مقابلے میں احبار و رہبان کو ترجیح دینا، ان کو رب بنانا ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْيَارِ وَ الرُّفَّاعِ لَيَكْفُرْنَ بِأَمْوَالِ الْفَالِسِ بِالْهَاطِلِ وَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (التوبة: ۳۴)۔ سورہ بقرہ میں فرمایا گیا: وَ مِنَ الْفَالِسِ مَن يَخْذَلُ مَن دُونِ اللَّهِ أَنْتَ إِذَا جُئْتَهُمْ كَتَبَ اللَّهُ (البقرہ: ۱۶۵) جو معاملہ اللہ سے ہونا چاہیے، جب مخلوق سے ہوگا تو یہ اس کی بندگی ہوگی۔ شیطان نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی، تکبر کیا اور نتیجتاً تاراج ہوا۔ یہ سرکش و باغی اور انسانیت کو گمراہ کرنے والا ہے۔ اس کے پیلے انسانوں اور جنوں میں سے ہیں جو اس کے پیچھے

پیچھے چلتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَيُفْخِخُونَ إِلَىٰ أُولِيهِمْ لِيُحَادِّثُوهُمْ وَ إِنَّ أَطْعَمَهُمْ مِنْهُ لَيَكْفُرْنَ بِهِ (النعام: ۱۲۱)۔ انہوں نے بخاری کے حوالے سے زید بن عمرو بن نفیل رحمہ اللہ کا ذکر کیا جو نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے گزرے ہیں۔ وہ دین ابراہیمی پر قائم اور اہل عرب کے شرک سے بیزار تھے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق انہیں قیامت کے دن ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ کسی سے ان کا دینی شجرہ نہیں مل رہا۔ یہ شجرے والے سب، حق اور حقیقت کو جانتے ہوئے انکار کرنے والے ہیں، جاننے کے باوجود انہوں نے آنکھیں بند رکھیں کہ بگڑی اور دنیا کے جھوٹے وقار کا معاملہ تھا۔ انہوں نے جان بوجھ کر یہ کام کیا۔ قدر مشترک یہ تھی نفس کی پیروی کی گئی۔ نفس کو الہ بنا دیا گیا۔ قرآن نے اس حقیقت کو بھی بیان کیا ہے: فَأَقَامَنَ طُفًى وَ أَثَرَ الْحَيَوةِ الَّتِي نَبَا ..... فَإِنَّ الْحَيَوةَ هِيَ الْبَاقِيَّةُ (الفرط: ۷۳)۔ انہیں دنیا کی محبت اور حوا، یعنی خواہش کی پیروی نے روکا۔ داعیان حق کے سامنے یہ بات رکھی گئی کہ ان بڑے بڑے طاغوت کا کفر کرنا مشکل نہیں۔ لیکن جس چیز نے انہیں طاغوت بنایا یعنی خواہش نفس نے، کہیں ایسا نہ ہو کہ طاغور کا شذوذ سے انکار کرنے والے نفس کے سامنے ڈھیر نظر آئیں جیسا کہ نبی ﷺ نے خبر دی کہ ایمان والوں کے اندر ”وہن“ کی بیماری آئے گی جو سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ دنیا کی محبت اور موت سے ڈرنا ہے۔ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا: الدُّنْيَا مَبْنَعُ الْفُتُونِ وَ بَخْنَةُ الْكُفَّارِ۔ اس لیے ایمان والوں کو چاہیے کہ کردار سازی پر زور دیں۔ صحابہ کرام رحمہم اللہ کی طرح آخرت کی فکر اپنے اندر پیدا کریں کہ آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

مختصر و قفے کے بعد سورہ توبہ کی آیت نمبر ۳۱ لِرَبِّكَ وَ الْخِيَالَهُمْ وَ رُبُّهُمُ أَكْبَرُ مِنْ دُونِ اللَّهِ کے عنوان پر فہم القرآن کا پروگرام ہوا، جس میں ۳۰ منٹ و درسیے کی پانچ تقاریر ہوئیں۔ اس پروگرام میں سرگودھا پنجاب سے عطا اللہ صاحب، کتیاڑی صوبہ سرحد سے زاہد خان صاحب، کراچی صوبہ سندھ سے مشتاق احمد صاحب، آزاد کشمیر سے محمد متیق صاحب اور بلوچستان سے عبدالکریم صاحب نے حصہ لیا اور مختصر سورہ توبہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے قرآن و حدیث کے حوالوں کی روشنی میں احبار و رہبان کے کردار کو واضح کیا کہ کس طرح یہ گزشتہ امتوں، بالخصوص بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب بنے؟ اللہ کی کتابوں میں تحریف کی اور آج اس آخری امت میں بھی شخص دنیاوی مفادات کے حصول کے لیے اپنا طاغوتی کردار ادا کر رہے ہیں۔ دین فروشی کے ذریعے ناجائز مالی منفعت کے حصول کے لیے کتاب اللہ کی تعلیمات میں معنوی تحریف کر کے گمراہ











فرمائے۔ اس طرح اہل ایمان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایمان لانے کے بعد تکلیف پہنچتی ہے، آزمائشیں آتی ہیں لیکن فرمایا: **الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَالَّذِينَ هُمْ بِمَعْلُومَاتِهِمْ**..... جن لوگوں نے چوٹ کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہا اور مخالفین حق کا تعاقب کیا اور اس طرح اپنے تقویٰ اور احسان کا مظاہرہ کیا، ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ **الَّذِينَ كَانَتْ لَهُمْ لِكُلِّ ذَنْبٍ عَذَابٌ لَّازِمٌ**۔ وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف لوگ جمع ہو گئے ہیں، صورتحال کا لحاظ کرو، تو اس سے خوف زدہ ہونے کے بجائے ان کے ایمان میں اضافہ ہوا اور انہوں نے کہا کہ **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ** ہمارے لیے اللہ کافی ہے جو بہترین کارساز ہے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت میں آتا ہے، **ابراہیم الخلیل** نے اس وقت کہ جب انہیں آگ میں ڈالا جا رہا تھا یہی فرمایا تھا **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ**۔ ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے ہمکنار کیا اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور وہ باعزاد ہوئے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے اطاعت رسول کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے نوازا۔ یہ ایمان کا معیار یا دلانے والی آیات ہیں۔ یہ اللہ کے وہ بندے ہیں جو سردی اور گرمی میں اللہ کی راہ میں نکلنے والے تھے۔ یہ اللہ کی تائید سے انقلاب لائے۔ اس حوالے سے امیر تنظیم نے شرکاء اجتماع کو احساس دلایا کہ ان اجتماعات کا مقصد اسی شعور کو اجاگر کرنا ہے، نظریاتی جنگ میں بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں، علم سیکھیں، شیطان کے دوسوں کو اثر انداز نہ ہونے دیں، اجتماعات میں اللہ کا خوب ذکر ہو، اللہ کے بندے اس کے احسانات کو یاد رکھیں، یہ وقت ضائع نہ کریں، مہلت سے پورا فائدہ اٹھائیں، اس راہ میں آزمائشیں آتی ہیں، ان کو انگیز کرنا سیکھیں، یہ تیاری داعی حق بنانے کے لیے ہے، تجوید، فہم القرآن اور عربی زبان کی تعلیم، یہ وہ موضوعات ہیں جن کی طرف پوری توجہ دی جائے، سیکھ کر معاملے کو آگے بڑھائیں اور اپنے اپنے مراکز میں اس کو جاری کریں، یہ ناظمین کا تربیتی اجتماع ہے، جن پر ذمہ داری ہے، بارامانت ہے، اس میں پوری طرح احساس ذمہ داری کا مظاہرہ ہونا چاہیے، سنجیدگی کے ساتھ آئیں اور اجتماعات سے پوری طرح استفادہ کریں، سیکھ کر جائیں اور پھر دوسروں کو سکھائیں، اس معاملے میں سہل انگاری نہ ہو، یہاں پر سچ و طاعت اور نظم و ضبط کا مظاہرہ ہونا چاہیے، مشقت برداشت کرنے کا جذبہ ہو، یہاں ان اجتماعات میں اگر احساس ذمہ داری، سنجیدگی، نظم و ضبط اور سچ و طاعت کا مظاہرہ نہ ہوگا، کوئی تربیت حاصل نہیں کریں

گے تو بڑے اور جان گسل مراحل پر کس طرح صبر و استقامت کے ساتھ کوئی جاندار کردار ادا کرنا ممکن ہوگا؟ اس اجتماعیت کے ساتھ، اللہ کے دین کے ساتھ مخلصانہ وابستگی لازمی شرط ہے۔ ناظمین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پوری ذمہ داری سے تربیت کے مراحل سے اپنے آپ کو گزاریں۔ آئندہ ان اجتماعات کو اور زیادہ موثر بنانے کی کوشش ہوگی، تعلیمی اور تدریسی پروگراموں کے ذریعے۔ مگر ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے احساس پیدا ہونا چاہیے۔ سنا و سنانا لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور توفیق احسن سے نوازے۔ آمین

### کل پاکستان تربیتی پروگرام برائے ناظمین طلباء و نوجوانان

طلباء و نوجوانوں کا یہ تربیتی پروگرام قادر پور راواں ہی کی مسجد میں ۱۰ اپریل کو منعقد ہوا۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد آزاد کشمیر کے ساتھی الطاف حسین نے سورہ توبہ کی آیت **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بھیجا، محدود اختیارات دیے اور اس بات کی کھلی وضاحت فرمادی کہ اس پوری کائنات کا مالک اکیلا وہی ہے، الوہیت صرف اسی کو سزاوار ہے۔ یہ دنیا انسان کی امتحان گاہ ہے۔ اگر یہاں یہ کامیاب رہا تو پھر اسے اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا، اور اگر یہ راہ راست سے ہٹ گیا تو قیامت کے دن اس کے لیے رسوائی اور جہنم کا عذاب ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس امتحان گاہ میں شیطان، جو کہ انسانیت کا دشمن ہے، کے شر سے بچنا ہے۔ اس کا تو مشن ہی یہ ہے کہ وہ انسان کو گمراہ کر کے اللہ کے یہاں ذلیل و رسوا کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے ان بہکاؤں سے بچانے کے لیے کتابیں نازل فرمائیں اور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اسی سلسلے کی آخری سری کے طور پر محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا جنہوں نے اپنی قوم کے سامنے اس دعوت حق کو اٹھایا۔

حلاوت کردہ آیات کے حوالے سے انہوں نے وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کس طرح کا سودا کیا ہے؟ غزوہ تبوک کے موقع پر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو اس وقت مومنین کا کیا کردار تھا؟ کس طرح انہوں نے سخت گرمی کے موسم اور دوسری آزمائشوں کے باوجود اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کو لگایا؟ غزوہ تبوک کے بارے میں انہوں نے کافی تفصیل سے بتایا کہ کس قدر پریشانیاں تھیں، سواریاں میسر نہ تھیں اور مومنین کس طرح اس غزوہ میں حصہ



لینے کے لیے بے چین تھے؟ یہ سب مسلمانوں کی آزمائش تھی ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو بغیر کسی جنگ کے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار فرمایا۔

اشراق و ناشتے کے وقفے کے بعد طلباء ناظمین کے اس تربیتی پروگرام کا باقاعدہ آغاز لاہور کے طلباء ناظم جناب وسیم اکرم صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورہ آل عمران کی آیت **لَا تَتَّبِعُوا خِلَفَاتِهِمْ** کو انھیں بحث و گفتگو کے حوالے سے خطاب کیا اور قرآن و حدیث کے مختلف حوالوں کی روشنی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی اہمیت اور اللہ کے نزدیک اس کے اجر و ثواب کو واضح کیا۔ بالخصوص سورہ العصر کی روشنی میں جس میں انسان کی نجات کے لیے لازمی شرائط کو بیان کیا گیا ہے یعنی شرک سے پاک ایمان، عمل صالح، حق کی تبلیغ اور آزمائشوں پر صبر کی تلقین۔ اس طرح انہوں نے سامعین کو اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کی کہ کل قیامت کے روز اللہ کے عذاب اور ابدی خسارے سے بچنے کے لیے، جبکہ انسان دنیا کی ساری دولت بھی فدیے میں دینے کے لیے تیار ہوگا، آج اس بات کی ضرورت ہے کہ پوری فکر مندی سے اس کا انتظام کر لیا جائے اور اپنی عاقبت کو خیر سے ہمکنار کرنے کے لیے کوشش کی جائے۔

وسیم اکرم کے افتتاحی کلمات کے بعد لاہور کے ساتھی تنویر احمد صاحب نے شرکاء اجتماع کو تجوید کے اصول سکھائے اور ان کی روشنی میں قرأت القرآن کی مشق کرائی۔

تجوید القرآن کے اس پروگرام کے بعد سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۳۱ **وَلَا تَتَّبِعُوا مَا يَتَّبِعُونَ** کے عنوان سے فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کے تحت چند رہنماؤں میں منٹ دورانیے کی تقاریر ہوئیں۔ اس پروگرام کی نگرانی و مصطفیٰ کے فرائض کراچی کے خالد عزیز و عبداللہ عمر نے انجام دیے۔ اگرچہ مقررین نے قرآن و حدیث پر مبنی دلائل کے ذریعے مجموعی طور پر موضوع سے متعلق حوصلہ افزا کارکردگی دکھائی تاہم لاہور کے امداد اللہ، کراچی کے اعجاز احمد، سرحد کے محمد طاہر اور سرگودھا کے محمد شیر نے مصنفین کی رائے میں سب سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

فہم القرآن کے پروگرام کے بعد لاہور کے ساتھی ضرار لطیف بٹ کی نگرانی میں باہمی تعارف کی نشست ہوئی جس کے دوران ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے ساتھیوں نے حسب معمول باری باری اپنا تعارف کرایا اور بعض ساتھیوں نے ابتدائی مراحل میں پیش آنے والے واقعات کو بھی مختصر بیان کیا جو سامعین کی دلچسپی کا باعث بنے۔

اس کے بعد فیصل آباد کے نوجوان ساتھی رفعت نواب نے سورہ النساء کی آیت نمبر ۵۹ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاولي الأمر منكم** کے حوالے سے درس قرآن دیا جس میں انہوں نے اس سورہ کا پس منظر اور اس میں بیان کیے گئے مضامین کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے اطاعت امیر کے موضوع پر وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ انہوں نے قرآن کی مذکورہ آیت کے حوالے سے بیان کیا کہ ایمان والوں کو اللہ، اس کے رسول اور امراء کی اطاعت کی تعلیم دی جا رہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ باہمی متنازعہ امور میں وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں۔ انہیں اس بات کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ اللہ اور یوم آخرت پر تمہارے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اللہ، اس کے رسول اور اپنے امراء کی اطاعت کرو۔ اہل ایمان کو ہر جگہ اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ سب طاعت کے پیکر بنیں۔ اس میں ایمان والوں کی تربیت کا انتظام ہے، چاہے صلح کا معاملہ ہو یا جنگ کا، ہجرت کا موقع ہو یا عام زندگی کے معاملات و عبادات کی بات ہو۔ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے حوالے سے طالوت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادشاہ مقرر کیا۔ چنانچہ جب وہ اہل ایمان پر مشتمل اپنے لشکر کو لے کر نکلا تو ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے راستے میں آنے والی نہر سے متعلق تمہیں آزمایا ہے اس لیے تم میں سے کوئی بھی سوائے ایک آدھ چلو کے، اس سے پانی نہ پیے۔ لیکن ان میں سے تھوڑی سے تعداد کے علاوہ سب نے پانی پی لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جالوت کا سامنا کرنے سے گریزاں رہے۔ صرف انہی لوگوں نے اپنے امیر کے ساتھ مخالف فوج سے لڑنے کی ہمت کی جو اللہ پر یقین و بھروسہ رکھنے والے اور اطاعت گزار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی تائید و نصرت سے نوازا۔ یہی معاملہ ایک غزوہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی پیش آیا لیکن انہوں نے اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کی اور ان سے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ **مَوْئِدَ النَّبِيِّ** کے ساتھیوں والا معاملہ نہیں کریں گے بلکہ آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آزمائش میں سرخرو فرمایا اور فتح سے ہمکنار کیا۔

مقرر نے سب طاعت کے حوالے سے بخاری و مسلم کی کچھ روایات بھی پیش کیں۔ مثال کے طور پر نبی ﷺ کے یہ فرامین کہ:

○ ”جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی تو گویا اس نے میری نافرمانی کی۔ بیشک امام ذوالحال ہے جس کے پیچھے قاتل کیا جاتا ہے اور اس سے بچاؤ کیا



جائزہ رپورٹ پیش کی۔

اس کے بعد سرگودھا کے سجاد حسین صاحب اور لاہور کے معراج الدین صاحب کی نگرانی میں تفسیر سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ کے حوالے سے سوال و جواب کی صورت میں معلوماتی پروگرام ہوا جس میں مختلف انتظامی یونٹوں کے ساتھیوں نے دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا اور انہیں کارکردگی کے حوالے سے نمبر بھی دیے گئے۔

صلوٰۃ العصر کے بعد طلباء و نوجوانان پاکستان کے ناظم محمد ارشد صاحب کے اختتامی کلمات پر یہ تربیتی اجتماع اختتام کو پہنچا۔ انہوں نے سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۱۷، ۱۸: اَوَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا... کے حوالے سے خطاب کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ایمان کی بنیاد ہی طاغوت کے کفر سے مشروط ہے اور یہی ہماری تنظیم کی بنیاد ہے کہ اللہ پر خالص ایمان اور طاغوت کا علانیہ کفر ہو۔ کلمہ طیبہ بھی اسی بات کو واضح کرتا ہے۔ لا الہ الا اللہ میں سب سے پہلے اس بات کا انکار ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، کوئی داتا اور مشکل کشا نہیں: محمد رسول اللہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ان پر ایمان لازمی ہے۔

طاغوت کی بندگی کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ طاغوت کی بات نہیں ماننی بلکہ اس کا انکار کرنا ہے، اور جو ایسا نہیں کرتا وہ ان طاغوت کی بندگی کرتا ہے۔ جو ان طاغوت کو کافر نہیں کہتا وہ ایمان والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے جسم میں دو دل نہیں بنائے کہ ایک میں اللہ کی محبت ہو اور دوسرے میں طاغوت کی۔ ایک دل میں صرف ایک ہی چیز ہو سکتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زبان سے طاغوت کا کفر اور اس سے نفرت کا اظہار لیکن عملاً طاغوتی رسومات، طور طریقے اور انداز رہن سہن اختیار کرنا دوغلا پن ہے، اس سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ ایمان والا تو اللہ کے دشمنوں سے نفرت کرتا ہے۔

انہوں نے سورۃ الفاتحہ کی آیت: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْظُ کے حوالے سے دیوبندی اکابر محمود الحسن کے عقیدے کا ذکر کیا کہ کس طرح غیر اللہ سے استعانت کو جائز قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح احمد بن حنبل نے مرنے کے بعد عود روح کے عقیدے کو ایمان کا حصہ بنا کر اللہ کے دیے ہوئے عقیدے کو رد کر ڈالا اور اس کے مقابلے میں یہ عقیدہ دیا کہ مرنے والے کی روح اسی قبر میں دنیاوی جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ صرف عقیدہ ہی نہیں دیا بلکہ کہا گیا کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ انہوں نے اکابر دیوبند کا سم تانا توئی کے اس عقیدے (باقی صفحہ آخر پر)

جاتا ہے۔ اگر وہ اللہ کے تقوے کا حکم دے اور انصاف کرے، اس کو اس بات کا اجر ہے اور اگر اس کے علاوہ کا حکم کرے تو اس بات کا گناہ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

○ ”ایک مسلم کے لیے لازم ہے کہ امیر کا حکم سنے اور اس کی اطاعت کرے، چاہے اس کو پسند ہو یا نا پسند، جب تک کہ وہ گناہ کا حکم نہ دے۔ اگر وہ اس کو گناہ کا حکم دے تو نہ سنا ہے نہ اطاعت کرتا۔“ (بخاری و مسلم)

○ ”جو شخص اپنے امیر میں کوئی نا پسندیدہ چیز دیکھے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے کیونکہ اگر کوئی جماعت سے باشت بھر بھی جدا ہوگا تو اس حالت میں اس کی موت، جاہلیت پر موت ہوگی۔“ (بخاری و مسلم)

○ ”جو کوئی ایک امیر پر متفق لوگوں کو نظم سے ہٹائے یا تمہاری جماعت میں تفرق ڈالے اس کو قتل کر دو۔“ (مسلم)

○ ”جو کوئی اس امت کے معاملے میں تفرق ڈالنے کا ارادہ کرے، جبکہ وہ نیکیا اور کٹھی ہو، تو اس کو تلواریں سے قتل کر دو چاہے کوئی بھی ہو۔“ (مسلم)

○ ”جو امیر تم کو تمہارا حق نہ دے، اس کا بھی حکم سنو اور اطاعت کرو اس لیے کہ اس کا بوجھ اس پر ہے اور تمہارا بوجھ تم پر۔“ (مسلم)

○ ”سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر جھٹی غلام کو عامل بنادیا جائے جس کا سرکشش (کے دانے) کی طرح ہو۔“ (بخاری)

○ ”جس نے امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا، قیامت کے دن اس کے لیے کوئی دلیل نہ ہوگی۔“ (مسلم)

○ ”ہر غدار (یعنی جماعتی نظم سے بغاوت اختیار کرنے والے) کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا کھڑا ہوگا، جس سے وہ پہچانا جائے گا۔“ (شنق علیہ)

○ ”جو جماعت سے باشت بھر علیحدہ ہو، تو یقیناً اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی، الا یہ کہ وہ واپس آجائے۔“ (ترمذی)

دین کا کام انسانیت کی فلاح کا کام ہے۔ تعمیری کام کے لیے نظم و ضبط اور وسیع و طاعہ ضروری ہے جبکہ تخریبی کام کے لیے کسی نظم و ضبط یا ڈسپلن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال ہمارے سامنے ہے جن کی اخوت اور بھائی چارہ مثالی تھا۔

صلوٰۃ العظمیٰ کے وقفے کے بعد صوبائی ناظمین نے رفقاء کار کے حوالے سے جائزہ رپورٹ پیش کی۔ یہ پروگرام کیتاڑی (صوبہ سرحد) کے محمد زابد صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ چنانچہ اس کے تحت کراچی (صوبہ سندھ) کے خالد عزیز صاحب، پنجاب کے سجاد حسین صاحب، شمالی علاقہ جات و کشمیر کے مگراں رفعت نواب صاحب اور صوبہ سرحد کے رسول خان صاحب نے اپنے اپنے علاقوں کی







بات صاف ہوگی (یعنی جو تم میں سے محمد ﷺ کی زندگی کرتا تھا تو جان لے کہ محمد ﷺ کو موت آگئی)۔ دوسری طرف یہ ایک بنیاد ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی سارے ہوتا ہے۔ اب جنہوں نے کہا کہ اس کے بعد سارے بھی ہے، حیات بھی ہے تو اللہ فرماتا ہے: **أَمْوَالٌ غَيْرُ أَخْبَالٍ** وہ مر گئے ہیں ان میں زندگی نہیں، یہ نہیں سنتے۔ تو اللہ کی کتاب کے خلاف جو کہتا ہے، چاہے وہ بڑے سے بڑا امام ہو، وہ امام نہیں ہو سکتا۔ امام وہ ہیں فرمایا: **الَّذِينَ آمَنُوا وَكَلَّمُوا بِكَلِمَاتٍ** جو ایمان لائے اور تقویٰ والے ہیں، وہی امام ہو سکتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کی کتاب کو جھٹلایا ہے وہ امام نہیں ہو سکتے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب میں مقلد ہوں، آپ مقلد ہیں؟

جواب: ہم نبی ﷺ کے مقلد ہیں، اور کس کے مقلد؟

سوال: امام ابو حنیفہ کی بات مانتے ہیں آپ؟

جواب: جو اچھی بات ہو، جس کی بات قرآن و حدیث کے مطابق ہو، امام بخاری کی ہو یا امام ابو حنیفہ کی ہو، آپ کی بات ہو یا میری بات، اللہ نے ارشاد فرمایا کہ **فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ**..... کہ جب تم میں کوئی تنازعہ ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

سوال: بتائیے تین امام ہیں: امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، تینوں سارے کے قائل ہیں اور حدیث پیش کرتے ہیں قلب بدروالی؟

جواب: خالص ظلم ہے، امام احمد بن حنبل کے علاوہ کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔ امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ دیکھو کوئی اختلاف نہیں ہے اس میں۔ صرف ایک واقعہ ہے قلب بدروالی جس کے اندر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ یہ معجزہ تھا، ہر مردہ زندہ نہیں ہوتا اور نہ سنتا ہے۔ عاشر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتی ہیں اصم سے مراد اعلم ہے۔ دو چیزیں بخاری نے بتائیں کہ یا تو یہ معجزہ ہے یا عاشر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مطابق ان کو ظلم ہو گیا۔

سوال: آپ بخاری کی بات مانتے ہیں امام احمد بن حنبل کی بات نہیں مانتے؟

جواب: یہ اس لیے ہے کہ امام بخاری کی بات قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور امام احمد بن حنبل کی بات قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ کیسے میں اپنے مالک کی کتاب کے ساتھ ظلم کروں، ذرا آپ خود سوچیے۔

سوال: بات توحید کے خلاف ٹھیک نہیں ہے لیکن عقیدہ تو امام احمد بن حنبل کا بھی وہی ہے جو امام ابو حنیفہ کا ہے، پھر امام ابو حنیفہ کو کیوں صحیح مانتے ہیں؟

جواب: ہم نے تو براہِ ربی کی بات کہی ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **وَأَشْرِكُوا لِيَكُنَ لِلنَّاسِ مَآثِلُ الْيَوْمِ وَلَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ** ہم

نے آپ کی طرف یہ کتاب اتاری ہے تاکہ آپ اس کی تفسیر بیان کر دیں، اور انہوں نے تفسیر بیان کی کہ یہ سارے مردے ہیں۔ مالک فرماتا ہے: **أَمْوَالٌ غَيْرُ أَخْبَالٍ** جو مر گیا، قبر والوں میں سے ہر ایک مردہ ہے، ان میں جان کی رستہ تک باقی نہیں ہے۔ اب کیا یہ قرآن کا انکار کریں گے؟

آپ کے خیال کے مطابق امام ابو حنیفہ کا عقیدہ خراب ہے؟ وہ تو کہتے ہیں: اگر کوئی قسم کھالے کہ اگر میں تجھ سے بات کروں تو میری بیوی کو تین طلاق، یہ طلاق معلق ہے، اور اس کے بعد اس کے جنازے پر آ کے خطاب کرتا ہے کہ میرے بھائی میری دنیا میں تجھ سے دوستی تھی مگر شیطان نے بہکا دیا کہ میں نے ایسی بات کہی، اب تم دنیا سے رخصت ہو رہے ہو تو اب معافی طلبی کرو، تو دوسرے کہیں گے کہ دیکھو بات تو اس نے کر لی اب اس کی بیوی کو تین طلاق ہے، اس کا کوئی تو نہیں۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ نہیں، اس نے بات کرنے کی قسم کھائی تھی، اس نے جنازے پر گفتگو کی ہے، یہ بات کرتا نہیں ہے، بات تو اس سے کی جاتی ہے جو سنتا ہو، سمجھتا ہو، جواب دیتا ہو! میت نہ سنتی ہے، نہ سمجھتی ہے اور نہ جواب دیتی ہے۔ آپ کہیں کہ نہیں، میت سنتی ہے تو پھر امام ابو حنیفہ کے عقیدے کو کہیں کہ ان کا عقیدہ صحیح نہیں۔ اب اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو امام ابو حنیفہ کا عقیدہ صحیح ہے یا احمد بن حنبل کا عقیدہ۔ ایک وقت میں دونوں کا صحیح ہونا تو ممکن نہیں۔

سوال: اجتہاد کسے کہتے ہیں؟

جواب: اجتہاد اس وقت ہوتا ہے کہ جب نص قطعی قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماع نہ ہو، تب ہی اجتہاد ہوتا ہے۔ نص قطعی ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ نبی ﷺ کے لیے فرما دیا گیا کہ وفات کے بعد یہاں نہیں بلکہ جنت الفردوس کا سب سے اونچا ان کا مقام ہے۔ بخاری کی حدیث میں آ گیا کہ وفات کے بعد یہاں پہنچ جائیں گے، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے کہ وفات پا گئے، اب اس کے بعد اجتہاد کیا ہوگا۔ اجتہاد، چوتھی بات کے لیے تقاضا تو یہ ہے کہ نص قطعی قرآن کی نہ ہو، نص قطعی حدیث کی نہ ہو، اجماع صحابہ کی نہ ہو، تب کہیں جا کر اجتہاد ہوتا ہے۔ یہ اجتہاد اب کر رہے ہیں! اجتہاد سے قرآن کی نص کو بدل دیں گے کیا؟

سوال: جو احادیث وارد ہوئی ہیں، انہوں نے ان کی بات کی ہے اور آپ انہیں مشرک کہہ رہے ہیں؟

جواب: دیکھیں میں نے یہاں ابھی تک ایک بار بھی انہیں اپنی زبان سے (باقی صفحہ آخر پر)



کا بھی ذکر کیا کہ نبی ﷺ کی روح جسم سے نہیں نکلی تھی بلکہ سینے میں انکی رہ گئی تھی۔ ان سب عقائد کے بعد اب کسے سچا مانیں؟ اللہ کی آیات کا انکار ہوتے دیکھ کر کیسے خاموشی اختیار کی جائے؟ لوگ کہتے ہیں فتویٰ نہ لگاؤ اور سکوت کی بات کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انہوں نے قادیانیوں پر فتویٰ کیوں لگایا!

انہوں نے سورہ حکیموت کے حوالے سے بتایا کہ صرف زبان سے ایمان کا اعلان کافی نہیں ہے اس کے لیے عملی ثبوت دینا ہوتا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں بتائی ہے کہ اَحْسِبَ النَّاسَ اَنْ يَتْرُكُوْا اَنْ يَكُوْنُوْا اٰمِنًا وَّمَعْنٰى لَا يُفْعَلُوْنَ۔ اس سلسلے میں انہوں نے اصحاب کہف کا ذکر بھی کیا کہ کس طرح انہوں نے طاغوت کی بندگی سے بچتے ہوئے اپنے ایمان کی حفاظت کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔

(بقیہ: سوال و جواب)

شرک نہیں کہا ہے۔ میں نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف کوئی بات، اگر کوئی جھوٹی روایتوں سے قرآن کو بدلے تو یہ اس کے لیے دلیل نہیں ہے۔ بریلوی کہتے ہیں نور من نور اللہ، کہ اللہ تعالیٰ نور کا ہے اور نبی ﷺ بھی اسی نور میں سے ہیں۔ بتائیے یہ ان کا شرک قرآن سے ثابت ہوتا ہے یا یہ انہوں نے خود نکالا ہے؟ تو یہ جھوٹی روایات لاتے ہیں اور جو صحیح روایات ہیں ان کو غلط معانی دیتے ہیں۔ کیا ان کی بات کو مان لیا جائے، آپ کا کیا خیال ہے؟

### ضروری وضاحت

ہماری تنظیم قرآن و حدیث کی خالص دعوت کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے جو صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن و حدیث کو اپنا رہنما بناتے ہوئے اللہ کے لے دے دے، قدس سے نکلے کوٹھال ہے۔ ہمارا کوئی بھی قہم و جدید فرے نہ مسلک، تحریک و جماعت، عقیم و گروہ سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں بلکہ ہم ان سب سے علانیہ بدانت و دیناری کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا ان پارٹیوں سے بھی کوئی تعلق نہیں جو جو حدیث و سنت کے دشمنان ہوں۔ ہر شخص ہیں خواہ وہ نام نہاد حزب اللہ ہو، حکومت کی رہنمائی جماعت المسلمین یا جماعت المسلمین یا کوئی قوم پرستی گروہ ہو جو باوجود ہر نامی شخص کی سرکردگی میں جدید ذرائع ابلاغ استعمال کرتے ہوئے ستانی ٹی وی چینل سے دس قرآن کے نام پر اور الرحمن الرحیم ذات کام (www.araahman-arahim.com) کے نام سے اپنی ویب سائٹ بنا کر اپنی دعوت پھیلا رہا ہے۔ اگرچہ دین اسلام کی اساس اس کے لیے ہے تو یہی دعوت ہی ہماری تنظیم کا محور ہے اور اسی وجہ سے ہماری مساجد بھی اسی نام سے منسوب ہیں، ہمارے ہماری بیچان وادی ایک نام ہے جو اللہ نے قرآن میں ایمان والوں کو دیا ہے یعنی ”مسلم“۔ اسی وجہ سے ہم خود کو کوئی فرقہ وارانہ نام نہیں دیتے نہ ہم خود کو خود کو ”میدانی“ کہلاتے ہیں نہ اس کی کسی پارٹی سے ہمارا کوئی تعلق ہے، ہم ان سب سے اپنی لا تعلق کا اعلان کرتے ہیں۔

چڑھانے کے لیے کی تھی اور جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا کر آسمان پر اٹھالیا۔ یہ تمام امور ان واقعات ہی سے متعلق تھے۔

یہ کہتے ہیں کہ ان نعمتوں میں اٹھائے جانے اور نزول کا کوئی ذکر نہیں۔ ذکر تو ہے جو سب کو نظر آتا ہے سوائے منکرین حق کے۔ جن کے قلب اندھے ہو جاتے ہیں ان کو کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ سورہ الحج کی آیت جو اس سے قبل پیش کی گئی ہے، اس میں اندھے پرانا کہ اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ اَوْفَوْا بِالْعَهْدِ اَلَيْسَ بِالْعَهْدِ الَّذِي فِى الْعُدُوِّ وَرَ (الحج ۴۶)

”بات یہ ہے کہ انھیں اندھے نہیں بلکہ وہ دل جو سینے میں ہیں، وہ اندھے ہو جاتے ہیں“

یہ بات تو اب بخوبی واضح ہو گئی کہ فتنہ قادیانیت کا اصل محرک فتنہ انکار حدیث ہی ہے اور ان کے جعلی نبی کی نبوت کا دار و مدار ہی عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول کے انکار پر ہے۔ اسی لیے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار اور وفات عیسیٰ علیہ السلام کا

پرچار قادیانیوں اور منکرین حدیث کا مشترک اور بہت ہی محبوب مشغلہ ہے۔ یہ گروہ صدیوں سے خدمت دین کے نام پر یہ کھیل کھیلتا رہا ہے۔ اور قادیانیت کے لیے میدان ہموار کرتا رہا ہے۔ مرزا غلام احمد نے دیکھا کہ امت میں ایک گروہ وفات عیسیٰ علیہ السلام کا قائل ہے تو اسی بنیاد پر اس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ دین میں سب سے بڑا فتنہ انکار حدیث ہی ہے۔ اسی سے شپا کر آدمی قرآن کی واضح آیات کا انکار کرتا یا اس کی معنوی تحریف کا مرتکب ہوتا ہے۔ ہر صاحب ایمان جانتا ہے کہ دین اسلام کا مدار قرآن و سنت پر ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ کے بغیر نہ تو قرآن کی صحیح تفسیر ممکن ہے اور نہ ہی سنت کا اور اک۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ کتب حدیث میں بعض ضعیف اور موضوع روایات پائی جاتی ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پورے کا پورا اس راہ حدیث ہی بے کار محض اور ناقابل اعتبار ٹھہرا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے ذریعے اسماء الرجال کا مکمل اور جامع نظام وضع کر لیا، کھرا اور کھوٹا علیحدہ کیا اور احادیث رسول ﷺ کو ملوثوں سے پاک کر دیا، اور ایمان والوں کے لیے آسان ہو گیا کہ وہ صحیح، ضعیف اور موضوع میں تمیز کر سکیں۔ اس کے بغیر تو ذخیرہ حدیث آزاد فکر نفس پرستوں کے رحم و کرم پر ہوتا جو من مانی تاویلات اور اقوال پر اللہ کے دین کو کھلونا بنا ڈالتے! اگر یہ صحیح احادیث نہ ہوتیں اور ہر آدمی اپنی عقل و رائے سے قرآن کی تفسیر اور سنت کی تعبیر کرتا تو آج دنیا میں دوا آدمیوں کا بھی ایک دین پر اتفاق محال تھا۔ عقیدہ کا مسئلہ ہو یا اعمال کا، صوم و صلوٰۃ کا معاملہ ہو یا حج و زکوٰۃ کا، ہر آدمی ہر کام اپنی ہی پسند کے طریقے پر کرتا اور انجام کار اللہ کے غضب کا حقدار ٹھہرتا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے قرآن کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے نبی ﷺ کی سنت کو محفوظ رکھنے کا اہتمام بھی فرمادیا تاکہ جاہد حق کے مسافر اس کی رہنمائی میں اپنی منزل کا تعین کرتے رہیں۔



## قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

امام احمد بن حنبل، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ایک جم غفیر ہے جو مردہ جسم میں قیامت سے پہلے روح کے واپس آجانے کا قائل اور اسی دنیاوی قبر میں قیامت تک مردہ پر عذاب یا راحت کے سارے حالات کے گزرنے کا اقرار ہی ہے۔ یہ دونوں عقیدے جو قرآن اور حدیث کی تصدیق یا تکذیب کرتے ہیں ایک نہیں، ان میں زمین آسمان کی دوری اور ایمان و کفر کا فرق ہے۔ ایک کا ماننے والا بہر حال دوسرے کا کافر ہے۔ اب کہ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ لوگوں کو اختیار ہے، جس کا دل چاہے قرآن اور حدیث کی بات مانے اور جس کی مرضی میں آئے وہ، گل ہائے عقیدت کی رنگینیوں کے فسوں سے از خود رفتہ ہو کر..... شوقِ گل بوی میں کانٹوں پر زبان رکھ دے۔

امت کی بد نصیبی کہ آج عذابِ قبر کے اس عظیم مسئلہ کو فروغی مسئلہ قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حالانکہ دنیاوی قبر میں عذابِ قبر کا اثبات ”حیات فی القبر“ کے ہم معنی اور قبر پرستی کے شرک کی اصل اور بنیاد ہے اسی لیے شیطان نے اس مسئلے میں اس وقت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میت مبارکہ ابھی دفن بھی نہ ہوئی تھی امت کے دوسرے نمبر کے بزرگ ترین ولی، عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فریب دینے کی کوشش کی تھی۔ اللہ کا کرم کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دشمن ایمان کے اس وار کو اسی پر الٹ دیا اور دو صدیوں تک اس کی ایک نہ چلی۔ پھر ۲۲۰ھ کے مسئلہ خلق قرآن کے ہیرو امام احمد بن حنبل پر اسکا وار ہوا۔ افسوس کہ وہ تاب نہ لاسکے۔ اب ان کی شہرت اور انکے ساتھ بے پناہ عقیدت کے سہارے اس ازلی دشمن کو قبر پرستی کے شرک کی بنیاد کہ ”مرنے والا دنیاوی قبر میں زندہ ہے“ امت کے عقیدہ میں داخل کرنے اور قائم رکھنے کا موقع مل گیا، پھر دنیا بھی لٹی اور آخرت بھی برباد ہو گئی۔ اور آج ہر طرف شرک و کفر کے سیاہ سائے راج کر رہے ہیں۔ آئیے کہ اللہ کا نام لیکر اصلاح حال کیلئے سردھڑ کی بازی لگا دیکھیں اور اللہ غالب و توانا پر جس نے نصرت کا وعدہ کیا ہے توکل کریں۔



# قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ - وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ  
وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأَانِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ  
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلَاةُ نُورٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ  
وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالثَّرَاتُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ  
النَّاسِ يَغْدُو فَبَايَعُ نَفْسَهُ فَمَعَتْقَهَا أَوْ مُوْبِقَهَا

”طہارت (پاکیزگی) نصف ایمان ہے اور الحمد للہ (کہنا) میزان کو بھر دیتا  
ہے اور سبحان اللہ اور الحمد للہ (دونوں) بھر دیتے ہیں یا (ہر ایک) بھر  
دیتا ہے اسکو جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے اور صلوٰۃ نور ہے اور صدقہ (دیتا)  
دلیل ہے اور صبر (کرنے) روشنی ہے اور قرآن حجت ہے تمہارے حق میں یا تمہارے  
خلاف۔ ہر شخص صبح کرتا ہے تو اپنے نفس کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے آزاد کرالیتا  
ہے یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔“

(مسلم: کتاب الطہارہ، باب فضل الوضوء)